غدار وطن ...... الماس ایم اے

گھسیٹی بیگم کی لڑکی اپنی ماں سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔

ماں نے بیٹی کو پیار سے سمجھایا۔ "بیٹی میرزائی ...... ابھی صبر سے کام لو۔ کیا پتا شوکت جنگ ہی ولی عہد مقرر ہو جائے۔ پھر کیا کرو گی۔ سارا منصوبہ ہی الٹا ہو جائے گا۔"

میرزائی ہتھے سے اکھڑ گئی۔ کڑک کے بولی۔ "اماں عمر کے ساتھ ساتھ تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو گئی ہے۔ تم نہ وقت کی نبض کو پہچانتی ہو اور نہ حالات کا تمہیں اندازہ ہے۔ بوڑھے نواب کا پورا جھکاؤ مرزا محمد شاہ کی طرف ہے۔ اس کو روز محل میں بلاتا ہے اور گھنٹوں باتیں ہوتی ہیں۔"

"شوکت جنگ بھی تو محل جاتا ہے۔ نواب اس سے بھی گفتگو کرتا ہے۔" گھسیٹی بیگم نے بیٹی کو قائل کرنا چاہا۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں کہ تمہاری عقل کام نہیں کرتی۔" میرزائی نے تیوریوں پر بل ڈال کے کہا۔ "جانے جانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مرزا محمد شاہ نواب کے بلاوے پر جاتا ہے اور شوکت جنگ محل جانے کے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے۔ میں کہتی ہوں اماں جو کچھ کرنا ہے ابھی کر ڈالو۔ ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا پھر لکیر پیٹتی رہنا۔"

"میرزائی تم مجھے ذلیل کرا کے رہو گی۔" گھسیٹی بیگم بے بسی سے بولی۔ "سچ پوچھو تو مجھے تمہارے لیے شوکت جنگ ہی پسند ہے۔ کتنا اخلاق والا جوان ہے۔ آتا ہے ادب سے سلام کرتا ہے اور سر جھکا کے بیٹھ جاتا ہے۔ تمہاری تو پرچھائیں سے بھی اسے محبت ہے۔ اس کی نظریں تمہارے ساتھ ساتھ گھومتی رہتی ہیں۔"

"مجھے کسی سے محبت کی ضرورت نہیں اماں۔" میرزائی چڑ گئی۔ "میرا شوہر نواب علی وردی خان کا ولی عہد ہو گا۔ خواہ وہ مرزا محمد شاہ ہو شوکت جنگ یا کوئی چوڑا چمار۔ میں حاکم بنگال کی بیوی بنوں گی سمجھیں کہ نہیں۔"

گھسیٹی بیگم بڑی کلے ٹھلے کی عورت تھی۔ آسمان میں چکلی لگاتی تھی۔ بڑے بڑے پانی بھرتے تھے اس کے سامنے ...... مگر وہ جو کہا ہے کسی نے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ گھسیٹی

بیگم کی اپنی ہی بیٹی میر زائی کے سامنے ایک نہ چلتی تھی۔ میر زائی اسے چٹکیوں میں اڑاتی تھی۔ وہ جتنی زبان دراز تھی اتنی ہی خوبصورت اور طرح دار تھی۔ اور دراز زبان کی طرح دراز قامت بھی تھی۔ اس کی شہابی رنگت، جھیل جیسی گہری آنکھیں اور کھلے بال یا ناگن کی طرح لہراتی زلفیں ہر جوان کو اس کی طرف راغب کرتی تھیں۔

آج کل بنگال کے ولی عہد کا شوشہ چھوٹا ہوا تھا۔ بنگال کا صوبیدار نواب علی وردی خان جو تقریباً آزاد بادشاہ تھا۔ بوڑھا ہو چکا تھا۔ نواب بڑا جہاندیدہ اور شاطر صوبیدار تھا۔ اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز کارکنوں سے سخت خطرہ تھا۔ کئی بار انہیں ڈانٹ چکا تھا۔ تاسم بازار اور کلکتہ میں ان کی قلعہ بندیوں کو تڑوا چکا تھا مگر پیرانہ سالی نے اس کے اعضا مضمحل کر دیئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی حیات ہی میں کسی کو اپنا ولی عہد نامزد کر دے۔ لطف یار خان اور میر جعفر دو تجربہ کار امیر اس کی نظر میں تھے لیکن ان کی کمزور طبیعت اسے پسند نہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ دونوں ابن الوقت ہیں اور حالات کے ساتھ اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتے ہیں۔

نواب علی وردی خان کی اولاد ذرینہ نہ تھی۔ دو جوان عمر نواسے مرزا محمد شاہ اور شوکت جنگ اس قابل ضرور تھے جنہیں مستقبل کی قیادت سونپی جا سکتی تھی۔ علی وردی، جوان قیادت پسند کرتا تھا تاکہ جوان خون ایک طرف تو فرانسیسیوں اور کمپنی کے انگریز تاجروں کو دبائے رکھے دوسری طرف خودسر امیروں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دے۔ ولی عہد کے مسئلے میں گھسیٹی بیگم سب سے زیادہ سرگرم تھی۔ گھسیٹی بیگم نواب خاندان میں سب سے زیادہ تا قلہ فاضلہ مشہور تھی۔ یہ جوانی میں بیوہ ہوئی پھر شادی نہ کی اور صرف ایک بیٹی میر زائی خانم کی محبت پر پوری جوانی صرف کر دی۔ اس کی بات سرکار دربار میں چلتی تھی۔ بڑے بڑے امیر اپنے ذاتی معاملات میں اس سے مشورہ کرتے تھے۔ نواب علی وردی خان کی بھی وہ بہت منہ چڑھی تھی اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرتی۔

پر جب بنگال کی ولی عہدی کا شوشہ چھوٹا تو اسے اپنی بیٹی کی فکر ہوئی۔ میر زائی چہرے مہرے چال ڈھال ہر طرح سے نواب زادی تھی اور بڑے سے بڑے امیر کی بیوی بننے کے لائق تھی مگر اس کے دماغ میں اقتدار کا خبط سا گیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی شادی اس شخص سے ہو جو بنگال کا آئندہ نواب بنے۔ اسی خبط میں اس کی جوانی آہستہ آہستہ

کھسکتے ہوئے بائیسویں سال میں داخل ہوگئی تھی۔ آخر اس کی مراد برآئی اور بنگال میں ولی عہد کا سوال پیدا ہوا۔

گھسیٹی بیگم اور میرزائی کو یہ تو اندازہ ہوگیا تھا کہ نواب علی وردی خان اپنے کسی نواسے کو ولی عہد بنائے گا مگر کون سا نواسہ نامزد ہوگا' اس کا اظہار نواب نے ابھی تک کھل کے نہیں کیا تھا۔ میرزائی واقعی اپنی ماں سے زیادہ عقل مند تھی۔ اسے یقین تھا کہ مرزا محمد شاہ کو ولی عہدی ملے گی۔ اس لیے وہ ماں کو مجبور کر رہی تھی کہ وہ مرزا محمد شاہ سے اس کی شادی کی بات کرے تا کہ اس کے نامزد ہونے سے پہلے ہی وہ دلہن بن کے اس کے گھر پہنچ جائے۔ گھسیٹی بیگم کو مرزا محمد شاہ سے خدا واسطے کا بیر تھا اور وہ محمد شاہ کے مقابلے میں اس کے ہم زاد بھائی شوکت جنگ کو پسند کرتی تھی۔ حالانکہ...... محمد شاہ اور شوکت جنگ دونوں ہی اس کی بہن کے بیٹے تھے۔

شوکت جنگ کو بھی شاید شبہ تھا کہ نواب کی توجہ محمد شاہ کی طرف ہے۔ اس لیے اس نے اپنی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ امرائے اسے کوئی امید نہ تھی کیونکہ وہ خود بھی بنگال کی گدی پر دانت لگائے ہوئے تھے۔ گھسیٹی بیگم کے...... اثر و رسوخ سے وہ واقف تھا اس لیے اس نے اس بڑے پتھر پر ہاتھ رکھا تھا اور روز اس کے گھر کے چکر کاٹتا تھا۔

گھسیٹی بیگم بھی اس پر مہربان تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح شوکت جنگ کو...... ولی عہدی حاصل ہو جائے اور میرزائی اور شوکت جنگ کی شادی ہو جائے تا کہ ایک تیر سے دو شکار ہوں مگر میرزائی کو صرف اقتدار کی ہوس تھی۔

گھسیٹی بیگم اور میرزائی میں چوں چوں ہو رہی تھی کہ...... شوکت جنگ آ گیا۔ گھسیٹی بیگم نے اسے بڑے چاؤ سے بٹھایا۔ شوکت جنگ کا چہرہ کچھ اترا ہوا تھا۔ گھسیٹی بیگم اس کی بلائیں لیتی ہوئی بولی۔ ''اے ہے شوکت جنگ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ منہ کیوں اترا ہوا ہے۔ کیا کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟''

شوکت جنگ نے کن انکھیوں سے میرزائی کو دیکھا اور ایک آہ سرد کھینچتے ہوئے بولا۔ ''خالہ جان' مجھے تو بس آپ کے پاس آ کے سکون ملتا ہے۔ آپ کی محبت نے مجھے اس قدر گرویدہ کیا ہے کہ جب پریشان ہوتا ہوں سیدھا آپ کے گھر کا رخ کرتا ہوں۔'' پھر اس نے میرزائی کی طرف رخ کر کے کہا۔ ''اس گھر کے لوگ کتنی محبت والے ہیں' جی

چاہتا ہے کہ ہمیشہ آپ ہی لوگوں میں رہا کروں۔“

شوکت جنگ نے اس سے پہلے کبھی اتنی وضاحت سے بات نہیں کی تھی۔ گھسیٹی بیگم اڑتی چڑیا کے پر پہچانتی تھی۔ سمجھ گئی کہ آج شوکت جنگ نے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ اس کا اشارہ صاف طور پر میرزائی کی طرف تھا۔ گھسیٹی بیگم نے میرزائی کی طرف دیکھا کہ شاید وہ کوئی جواب دے مگر میرزائی بے تعلق سی بیٹھی رہی۔

گھسیٹی بیگم کو خود ہی جواب دینا پڑا۔ بولی۔ ”بیٹے تمہارے آنے سے میرا دل بھی خوش ہو جاتا ہے۔ میں تو رات دن تمہاری ولی عہدی کی دعا مانگتی ہوں۔ دوسروں کے مقابلے میں تم حق دار بھی ہو اور تمہارے اندر اہلیت بھی موجود ہے۔“

”خالہ جان ...... ولی عہدی اور بادشاہی تو آنی جانی چیز ہے۔“ شوکت جنگ نے بڑی مکاری سے جواب دیا۔ ”اصل خوشی تو ایک خوش و خرم گھرانے میں ہوتی ہے۔ مرد کے لیے گھریلو خوشی سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہوتی۔“

”بیٹے! تمہاری عقل کیا چرنے گئی ہے۔“ گھسیٹی بیگم تڑا کے بولی۔ ”اگر نواب نے تمہیں نامزد کیا تو کیا تم انکار کر دو گے؟“

”مجھے نواب کی نامزدگی کی ضرورت نہیں۔“ شوکت جنگ نے ہنس کے کہا۔ ”نامزد تو آپ کو کرنا ہے۔ خواہ ولی عہدی ہو یا پھر اس گھر کی ...... میرا مطلب ہے کہ میں تو آپ لوگوں کی خوشی میں خوش ہوں۔ میں تو اس گھر پر اپنا سب کچھ قربان کرنا چاہتا ہوں۔“

میرزائی اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہی تھی۔ اس کی چالاکیاں اپنی جگہ لیکن مرد کی فریب کاریاں اس کے تصور سے بلند تھیں۔ شوکت جنگ اس سے تین چار سال چھوٹا تھا مگر بلا کا مکار اور شاطر تھا۔ اس نے محبت کا جال پھینکا تھا میرزائی اس میں پھنسی تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ فریب ضرور کھا گئی۔

”اماں مہمان کی خاطر نہیں کرو گی۔“ میرزائی نے خلاف امید بڑی محبت سے کہا۔ ”شوکت جنگ کے لیے کچھ منگاؤ۔ پتا نہیں انہوں نے صبح سے کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں۔“

شوکت جنگ نے چونک کے میر زائی کو دیکھا۔ گھسیٹی بیگم کا تو دل کھل اٹھا۔ فوراً اٹھ کے کھڑی ہوگئی اور مسکرا کے بولی۔ ''بھلا شوکت جنگ کی خاطر کیوں نہیں کروں گی۔ یہ کوئی غیر تھوڑی ہے۔ آخر میری بہن کا خون ہے۔''

''بجا فرمایا خالہ جان آپ نے۔'' شوکت جنگ نے فوراً ٹکڑا لگایا۔ ''امی جان کے بعد سوائے آپ لوگوں کے میرا اور کون ہے۔ میں اسے اپنا ہی گھر سمجھتا ہوں۔''

گھسیٹی بیگم کو موقع مل گیا۔ وہ خاطر مدارت کے بہانے اٹھ کر چلی گئی اور میر زائی کو پہلی بار شوکت جنگ سے گفتگو کا موقع ملا۔ شوکت جنگ میں مردانہ وجاہت تو موجود ہی تھی اس کی پیار بھری باتوں نے میر زائی کے دل کے کسی نرم گوشے میں جگہ پالی۔

میر زائی نے کہا۔ ''شوکت جنگ تمہاری ولی عہدی کا کیا بنا؟'' میر زائی نے بات تو کی مگر مطلب کی اور لہجہ بھی کھردرا تھا۔

شوکت جنگ بڑا مغرور اور خود سر تھا لیکن حالات سے سمجھوتہ کرنا بھی جانتا تھا۔ اس نے فوراً دوسرا تیر چلایا۔ بولا۔ ''میر زائی آج قسمت سے دو گھڑی تنہائی میں گفتگو کا موقع ملا ہے اور تم ولی عہدی کا جھگڑا لے بیٹھیں۔ میرے لیے تو تم دنیا کی سب سے بڑی بادشاہت ہو۔ بنگال کی ولی عہدی تمہارے تلوؤں کی دھوون سے بھی کمتر ہے۔ نہ تم میرے دل کا حال جانتی ہو اور نہ اپنی قدر و قیمت کا تمہیں صحیح اندازہ ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ دو دل مل جائیں تو ان کی کوشش سے پہاڑ بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ یقین کرو میر زائی اگر ایک طرف بنگال کی بادشاہت ہو اور دوسری طرف تم ہو تو میرا ہاتھ تمہاری طرف بڑھے گا۔''

میر زائی کو اب تک اپنے چاہنے والوں کی نظروں سے سابقہ پڑا تھا۔ ان کی ٹھنڈی آہیں بھی اس نے سنی تھیں لیکن میر زائی کی بد دماغی اور غرور کی وجہ سے خاندان کے کسی جوان نے اس سے اظہار محبت نہ کیا تھا۔ شوکت جنگ کی گفتگو سحر بکھیرتی گئی اور میر زائی اس سحر میں الجھتی چلی گئی۔ اس پر ایک کیف سا طاری ہوگیا اور جسم میں بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن الفاظ ساتھ نہ دے سکے اور ہونٹ کپکپا کے رہ گئے۔

شوکت جنگ گفتگو کے دوران اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس نے محسوس کرلیا کہ ٹھیک وقت پر تیر چلایا گیا ہے اور تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔ اپنے سحر طراز انداز گفتگو میں اور زیادہ قوت پیدا کرنے کے لیے اس نے والہانہ انداز اختیار کیا اور کہا۔" میرزائی اگر مجھے تمہاری محبت حاصل ہو جائے تو یہ دنیا میرے لیے جنت بن جائے گی۔ میری تنہا اور خزاں رسیدہ زندگی میں بہار آ جائے گی۔ امیدوں' آرزوؤں سے معمور نئے جذبوں کے پھول کھلیں گے۔ ہوائیں نغمے گائیں گی اور فضاؤں سے کیف برسے گا۔"

میرزائی کی آنکھیں خوشگوار و شاندار مستقبل کا ذکر سن کر بوجھل ہو گئیں۔ تنفس بھاری ہو گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ رنگین فضاؤں میں پرندوں کی مانند پر پھیلائے اڑ رہی ہے۔ ہر طرف کیف و نور کے فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ اس نے اسی عالم میں کہا۔" شوکت تم نے یہ باتیں پہلے کیوں نہ کہیں۔ مجھے اپنے سے دور کیوں رکھا تم کتنی پیاری پیاری باتیں کرتے ہو۔ میں سمجھتی تھی کہ تم بہت مغرور ہو اسی لیے میں بھی تم سے دور دور رہی۔"

چڑیا جال میں پھنس گئی تھی۔ عورت کتنی ہی مغرور اور بدمزاج کیوں نہ ہو مگر مرد کی قربت اور تنہائی اس کی ذہنی قوتوں کو منجمد کر دیتی ہے۔ شوکت جنگ بڑا منچلا اور کھایا کھیلا جوان تھا۔ خاندان کے اندر اور باہر اس کی عشرت پسندی کے چرچے تھے۔ میرزائی جیسی کتنی ہی چڑیوں کے پر نوچ چکا تھا۔ میرزائی اس کی باتوں پر لیپا لوٹ ہو کر رہ گئی۔ کچھ دیر پہلے جو ماں سے ضد کر رہی تھی کہ مرزا محمد شاہ کے گھر جا کر اس کے رشتے کی بات کرے...... مگر اب شوکت جنگ کے جال میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔

شوکت جنگ نے فوراً دوسرا وار کیا اور بولا۔" میرزائی پہلے میرا بھی خیال تھا کہ ولی عہدی کے لیے میں بھی کوشش کروں لیکن اب تم نے مجھے اپنے دل میں جگہ دی ہے اب مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہاری محبت حاصل ہو گئی اس کے سوا مجھے کچھ اور نہیں چاہیے۔"

" یہ تو کوئی بات نہیں شوکت۔" میرزائی نے اسے ٹوکا۔" کیا تم ولی عہدی کے حقدار نہیں یا تم میں اہلیت کی کمی ہے۔ محمد شاہ تم سے کس بات میں زیادہ ہے۔ تمہیں اپنا حق نہیں

چھوڑنا چاہیے۔"

"میرزائی ایک بات کا خیال رکھو۔" شوکت جنگ نے قطع کلام کیا۔ "میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے بھاگنا نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ نانا علی وردی خان مجھے بھی اتنا ہی پسند کرتے ہیں جتنا بھائی محمد شاہ کو مگر مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ میں خود منہ پھاڑ کے ان سے اپنے لیے کہوں۔ یہ بات تو بڑوں کے کرنے کی ہے۔ اگر کوئی ایسا موقع آیا تو دیکھا جائے گا۔"

"شوکت! میں تمہیں کم ہمت نہیں سمجھتی۔" میرزائی فخر سے بولی۔ "میرے خیال میں تم محمد شاہ سے زیادہ عالی دماغ اور باہمت ہو۔ ہاتھ پیر ہلائے بغیر تو کوئی کام نہیں بنتا۔ تمہارے منہ میں کوئی خود تو نوالہ نہیں ڈالے گا۔ تم کوشش کرو گے تو بہت سے راستے نکل آئیں گے۔"

"مگر میں کیا کر سکتا ہوں؟" شوکت جنگ نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔ "کس سے مشورہ کروں؟ کہاں جاؤں؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"دل چھوٹا نہ کرو شوکت۔" میرزائی نے فوراً سہارا دیا۔ "تم ارادہ تو کرو۔ میں اماں سے بات کروں گی۔ وہ تم کو بہت چاہتی ہیں اور ان کی بات بھی مانی جاتی ہے۔"

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" شوکت جنگ نے رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان کی بات تو نواب بھی نہیں ٹال سکتے ...... مگر ......" شوکت جنگ نے جملہ نا تمام چھوڑ دیا۔

میرزائی بے تاب ہو رہی تھی۔ شوکت جنگ نے بات ادھوری چھوڑی تو بے چینی سے بولی۔ "ہاں ہاں کہو نا۔ تمہیں کسی کا خوف ہے؟ تم کس سے کم ہو؟ ڈر کس بات کا؟"

"یہ بات نہیں میرزائی۔" شوکت نے الفاظ میں محبت کا رس بھرتے ہوئے کہا۔ "میں نے آج ہی تم سے اپنے دل کی بات کی ہے اور آج ہی خالہ جان سے سفارش کے لیے کہہ دوں۔ وہ یہی سوچیں گی کہ میں تمہارے پاس اس غرض سے آتا ہوں۔ نا بھئی نا! میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تم کتنے اچھے ہو شوکت۔" میرزائی کی زبان سے ایک دم نکل گیا اور وہ شرما گئی۔

شوکت جنگ مسکرایا۔ "اچھی تو تم ہو جس نے آج میرے دل کو سکون دیا ہے۔ میری ہمت تو نہیں پڑتی مگر کوشش کروں گا کہ خالہ جان سے کچھ کہوں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو..... جتنا وقت ملا ہے اس میں پیار ہی کی باتیں ہونا چاہئیں۔"

اسی وقت گھسیٹی بیگم آتی دکھائی دیں۔ انہوں نے دور ہی سے کہا۔ "پھنکار ہو ان کنیزوں غلاموں پر ذرا آنکھ بچی اور ان کے مزے ہو گئے۔ ایک جگہ جمع ہو کے گپیں لڑاتے ہیں' پریوں اور جنوں کے قصے کہتے ہیں' کام کی طرف تو کوئی توجہ ہی نہیں۔"

گھسیٹی بیگم ایک کنیز کے سر پر خوان رکھا کے لائی تھیں۔ کنیز نے خوان اتارا۔ گھسیٹی بیگم نے جلدی سے ایک چھوٹی میز کھینچ کے شوکت جنگ کے سامنے لگا دی۔

"ارے اماں! یہ تم کیا کر رہی ہو۔" میر زائی جلدی سے اٹھی اور ماں کو ایک طرف کر کے میوے شوکت کے آگے رکھنے لگی۔

گھسیٹی بیگم نے بیٹی کو حیرت سے دیکھا۔ حیرت تو انہیں اس وقت بھی ہوئی تھی جب میر زائی نے شوکت جنگ کی خاطر مدارت کے لیے کہا تھا مگر اب تو یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ میر زائی بھنبورے کی طرح شوکت جنگ کے گرد منڈلا رہی تھی۔

"اماں تم نے کچھ اور سنا۔" میر زائی اس طرح بولی کہ سب ہی چونک پڑے۔

"کیا ہوا بیٹی؟" گھسیٹی بیگم بھی گھبرا گئی۔

"شوکت کہہ رہے ہیں کہ انہیں ولی عہدی نہیں چاہیے۔" میر زائی بڑے انداز سے مسکرائی۔ "کتنے بھولے ہیں' یہ اپنا حق چھوڑنا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"یہ تو سراسر بے وقوفی ہے میر زائی۔" گھسیٹی بیگم نے اتنے بھدے پن سے کہا کہ شوکت جنگ شرمندہ ہو گیا۔ میر زائی نے ماں کو گھورا۔ گھسیٹی بیگم نے فوراً پلٹا کھایا۔ سنبھل کے بولی۔ "میرا شوکت جنگ ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔ اسے ولی عہدی کی پروا نہیں مگر ہم تو اسے بنگال کا نواب دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا بیٹا راج کرے گا پورے بنگال پر۔"

"تو پھر کچھ کرونا اماں۔" میر زائی نے بھرپور سفارش کی۔" یہ بے چارے کہاں بھاگتے پھریں گے۔ کس کس کی سفارش ..... ڈھونڈتے پھریں گے۔"

"اسی لیے تو میں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا خالہ جان۔" شوکت جنگ نے لقمہ دیا۔" میر جعفر' لطف یار خان' سب ہی تو نانا حضور کی گدی پر نظریں جمائے ہیں۔"

"یہ دونوں تو نرے احمق ہیں۔" گھسیٹی بیگم نے منہ بنا کے کہا۔" نواب بابا بوڑھے موڑھوں کو منہ نہیں لگاتے۔ جوانوں میں تم دو بھائی ہو۔ ان میں سے ایک کو ولی عہدی ملے گی۔"

"میں بھائی محمد شاہ کے سامنے دیوار نہیں بننا چاہتا۔" شوکت جنگ نے جیسے بے دلی سے کہا۔" ابھی ان سے اچھی صاحب سلامت ہے اگر میں سامنے آیا اور ناکام ہوا تو میری ہمیشہ کے لیے نظریں نیچی ہو جائیں گی۔"

"کیا تمہاری نظریں نیچی ہونے دیں گے شوکت جنگ۔" گھسیٹی بیگم کمر پر ہاتھ رکھ کے بڑی تمکنت سے بولیں۔ میرا نام گھسیٹی بیگم ہے اور میں نواب علی وردی خان حاکم بنگال کی بیٹی ہوں۔ میں جس کام میں ہاتھ ڈالتی ہوں پھر اسے پورا کر کے ہی چھوڑتی ہوں۔"

"اماں ..... انتظار کس بات کا ہے۔" بیٹی نے ماں کو شہ دی۔" میں شوکت جنگ کو ولی عہد اور پھر بنگال کا صوبیدار دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"یہ ..... یہ تم کہہ رہی ہو میر زائی۔" گھسیٹی بیگم نے اسے حیران نظروں سے دیکھا۔" مگر تم ....."

"اماں میں جو کچھ اب کہہ رہی ہوں وہی ٹھیک ہے۔" میر زائی نے اسے بیچ ہی میں ٹوک دیا اسے خطرہ تھا کہ کہیں گھسیٹی بیگم یہ نہ کہہ بیٹھے کہ کچھ دیر پہلے تو وہ مرزا محمد شاہ سے شادی کرنے کی ضد کر رہی تھی۔ اب اس نے اپنا ارادہ ایک دم کیوں بدل دیا۔

"ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اماں۔" میر زائی نے ذرا رک کر کہا۔" تم نانا حضور سے ضرور بات کرنا۔"

''ضرور بات کروں گی میرزائی۔'' گھسیٹی بیگم نے زور دے کے کہا۔ ''شوکت جنگ بھی تو اپنا ہی بیٹا ہے اور تم ...... تم ......'' گھسیٹی بیگم کہتے کہتے چپ ہوگئی۔

''ہاں اماں! میں شوکت جنگ کی طرفداری کروں گی۔'' میرزائی نے بات کو اور ڈھنگ دیا۔

تمام باتیں واضح ہوگئیں۔ گھسیٹی بیگم نے شاطرانہ انداز میں شوکت جنگ سے سودے بازی کی۔ شوکت جنگ کے ان روز روز کے پھیروں کا مقصد ہی یہ تھا کہ میرزائی کو محبت کا فریب دے کر گھسیٹی بیگم کو شیشے میں اتارا جائے اور اس میں وہ کامیاب ہوا۔ معاملہ یہ طے ہوا کہ گھسیٹی بیگم اپنی کوشش سے شوکت جنگ کو بنگال کی ولی عہدی پر نامزد کرائے گی اور اس اعلان کے دوسرے ہی دن شوکت جنگ اور میرزائی کی شادی ہوگی۔ شوکت جنگ نے اس عہد نامے کی خوشی خوشی تصدیق کر دی۔

❁❁❁

گھسیٹی بیگم مرشد آباد سے ہٹ کے ڈھاکہ چلی گئی۔ بنگال کا پہلا صدر مقام سونار گاؤں تھا۔ یہ ہگلی کے قریب واقع تھا۔ شاہجہاں کے دور میں ہگلی پر ولندیزیوں کا قبضہ ہوگیا اور بنگال کی مغل فوج اور ولندیزیوں میں روز جھڑپیں ہوتی تھیں۔ ناظم بنگال نے مجبور ہو کر سونار گاؤں کو چھوڑ کے ڈھاکہ کو صدر مقام بنایا اور اس کا نام شہنشاہ جہانگیر کے نام پر جہانگیر نگر رکھا۔ جہانگیر نگر مدتوں بنگال کا صدر مقام رہا لیکن جب بنگال کی نظامت مرشد قلی خان کے ہاتھ میں آئی تو اس نے جہانگیر نگر کے بجائے مقصود آباد کو صدر مقام بنایا۔ یہ مقام ڈھاکہ سے ڈیڑھ سو میل مشرق میں ہے۔ مرشد قلی خان نے مقصود آباد کا نام بدل کے اپنے نام پر مرشد آباد رکھ دیا۔ اس طرح مقصود آباد کا معمولی سا قصبہ مرشد آباد بن کے ایک بڑا شہر ہوگیا اور اس کی رونق ڈھاکہ سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ڈھاکہ میں گھسیٹی بیگم کی حویلی سازش کا مرکز بن گئی۔ اس کا ڈھاکہ آنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ شوکت جنگ بھی ہفتے میں دو ایک پھیرے ضرور لگاتا تھا اور گھسیٹی بیگم کو مرشد آباد کے حالات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔

ادھر تخت دہلی پر مغل شہنشاہیت کی بساط سیاست الٹ رہی تھی۔ مغل شہنشاہ محمد شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ نظام الملک آصف جاہ بھی مر گیا تھا اور مرہٹہ سردار ساہو جی بھی پیوند

خاک ہوگیا تھا۔ مرہٹے بے لگام ہو کر پورے شمالی ہند میں گروہ در گروہ تاخت و تاراج کا بازار گرم کرتے رہتے تھے۔ نواب علی وردی خان کے کئی سردار باغی ہو کر مرہٹوں کے پناہ گزیں تھے اور انہیں بہار و بنگال پر حملہ کرنے کے لیے اکساتے رہتے تھے۔ ان امیروں اور سرداروں میں میر حبیب اللہ مرتضیٰ خان اور شمشیر خان پیش پیش تھے۔ انہوں نے مرہٹوں کی مدد سے کئی بار بنگال کا رخ کیا۔ بہار کو تاراج کر ڈالا مگر علی وردی خان کا کچھ زیادہ نقصان نہ کر سکے۔ بوڑھا نواب ان سے زیادہ تجربہ کار تھا۔ اس نے میر حبیب اللہ کو مرہٹوں سے توڑ لیا اور اسے اپنی طرف سے اڑیسہ کا صوبے دار بنا دیا پھر مرہٹوں کو بنگال کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔

مرہٹوں سے آویزش کے دوران ہی اسے گھسیٹی بیگم کی سازش کا علم ہوگیا۔ مہابت جنگ علی وردی خان بڑا دور اندیش آدمی تھا۔ اس نے خاندان میں خانہ جنگی کے بجائے مصالحانہ حکمت عملی کا راستہ اختیار کیا۔ سارا جھگڑا ولی عہدی کا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اس طرف توجہ دی۔ گھسیٹی بیگم کو اس نے بالکل نہ چھیڑا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوکت جنگ بھی مرشد آباد سے ڈھاکہ چلا گیا ہے۔ نواب نے اس سے بھی کوئی باز پرس نہ کی اور اس طرف سے ایسی خاموشی اختیار کر لی جیسے اسے کسی بات کی مطلق خبر ہی نہیں ہے۔

ایک دن اس نے مرزا محمد شاہ کو اپنے پاس بلایا اور پیار سے کہا۔ ”مرزا! عمر نے میرے شانے بوجھل کر دیے ہیں۔ ذمے داریوں کا بار مجھ سے نہیں سنبھلتا۔ میں چاہتا ہوں کہ ان ذمے داریوں سے میں جلد سبکدوش ہو جاؤں اور تمام بار کسی جوان اور مضبوط کاندھوں پر رکھ دوں۔“

”نانا حضور! خدا آپ کو ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے۔“ مرزا محمد شاہ آبدیدہ ہوگیا۔ ”بنگال جن حالات سے گزر رہا ہے ان پر سوائے آپ کے اور کوئی قابو نہیں پا سکتا۔ مرہٹے کمپنی کے بے ایمان سوداگر نما ٹیرے اب تو گھر میں بھی سازش کے چرچے ہونے لگے ہیں۔ بنگال کو اس وقت پہلے سے کہیں زیادہ آپ کی ضرورت ہے۔“

”شاباش بیٹے۔“ نواب نے اطمینان کا سانس لیا۔ ”میں نے تم دونوں بھائیوں کو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کیا اگرچہ تم میں تجربے کی کمی ہے لیکن تمہاری باتیں ظاہر

کرتی ہیں کہ تمہارا ہاتھ وقت کی نبض پر ہے اور بنگال کے حالات پر تمہاری گہری نظر ہے۔ تم اور شوکت جنگ میرے لیے برابر کا درجہ رکھتے تھے مگر نادان گھسیٹی بیگم خود بھی بہک گئی ہے اور اس نے شوکت جنگ کو بھی بہکا دیا ہے۔ وہ دونوں اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد الگ بنانے کی فکر میں ہیں مگر وہ اس میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔"

"نانا حضور! میری درخواست ہے کہ آپ خالہ جان اور شوکت کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔" مرزا محمد شاہ نے عاجزانہ التماس کی۔ "اگر ان پر سختی ہوئی تو ہمارا خاندان بدنام ہو جائے گا۔"

"گھبراؤ نہیں مرزا۔" نواب نے مرزا کی تسلی کے لیے کہا۔ "اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نکل آئے تو پھر ٹیڑھی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر مرزا محمد شاہ ایک بات گرہ سے باندھ لو۔ حکومت کا اصول تخت یا تختہ ہوتا ہے۔ کمزور تلوار تخت و تاج کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ جنگ میں خواہ وہ ظاہری ہو یا دلوں میں پوشیدہ۔ ہر حربہ استعمال ہوتا ہے۔ اس میں نہ باپ بیٹے کا ہوتا ہے نہ بھائی بھائی کا۔"

مرزا محمد شاہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ چاہتا تھا کہ نواب اپنی بات پوری کر لے تو پھر کچھ کہے۔ نواب کچھ دیر مرزا کی صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مرزا! میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سر پر سہرا باندھا جائے اور تم لڑکپن کے دور سے نکل کر عملی زندگی میں قدم رکھو۔ اس کا یہ اثر ہوگا کہ تمہیں کوئی بچہ نہ کہہ سکے گا اور تمہارا شمار سنجیدہ لوگوں میں ہونے لگے گا۔"

"نانا حضور! مجھے آپ کی خواہش پوری کر کے یقیناً خوشی ہوگی لیکن......"

"لیکن کیا مرزا؟ اپنی بات پوری کرو۔"

"نانا حضور!" مرزا افسردگی سے بولا۔ "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے وقت میں جب خود آپ کا خون آپ کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ میری شادی بے وقت کی بھیڑ ہوگی۔

لوگ کیا سوچیں گے؟"

"لوگوں کو سوچنے دو مگر تم کچھ نہ سوچو۔" نواب نے بڑی مستقل مزاجی سے کہا۔ "تمہاری شادی میں میری خوشی بھی ہے اور ایک مصلحت بھی۔ تم بس اپنی رضامندی ظاہر کرو۔"

نواب نے مرزا محمد شاہ کی نسبت طے کر رکھی تھی۔ اس نے اس وقت بھی کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ مرزا نے اپنی رضامندی ظاہر کی جس کے ساتھ ہی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نواب نے اس شادی کا بڑا اہتمام کیا۔ بنگال کے تمام چھوٹے بڑے امراء اور سرداروں کو مدعو کیا گیا۔ گھسیٹی بیگم اور شوکت جنگ کو خصوصیت سے بلایا گیا۔ میر زائی کو اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا۔ اس لیے نہیں کہ اسے مرزا محمد شاہ سے محبت تھی بلکہ اس وجہ سے کہ وہ پہلے اپنی شادی کرنا چاہتی تھی لیکن شوکت جنگ اسے برابر ٹالتا جا رہا تھا۔ اس نے بنگال کے بگڑے ہوئے حالات کا حوالہ دے کر ماں بیٹی کو خاموش کر دیا۔

محمد شاہ کی شادی کا دن قریب آ رہا تھا مگر گھسیٹی بیگم اب تک یہ طے نہ کر پائی تھی کہ وہ شادی میں شرکت کرے یا کسی بہانے انکار کر دے۔ شوکت جنگ شرکت کے حق میں تھا۔ گھسیٹی بیگم کو ڈر تھا کہ کہیں نواب باز پرس نہ کرے۔ آخر طے ہوا کہ شوکت جنگ اور میر زائی بارات میں شریک ہوں اور گھسیٹی بیگم ڈھاکہ میں رہ کر سازش کی کڑیاں مضبوط کرے۔ ابھی ولی عہد کا فیصلہ نہ ہوا تھا۔ اس لیے شوکت جنگ نواب کی مخالفت نہ کرنا چاہتا تھا۔

مرزا محمد شاہ کی شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ تاریخ ہند کا ایک حصہ بن گئی۔ اس کی تفصیل کے لیے ایک الگ دفتر کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ کہ مرشد آباد کی پوری آبادی ایک ماہ تک نواب کی مہمان رہی۔ کسی گھر میں چولھا جلانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک اندازے کے مطابق نواب نے بیس لاکھ روپے کے جواہرات اور خلعت تقسیم کیے۔ دعوت اور شادی کے اخراجات الگ ہیں۔ ہزاروں دیگوں میں کھانا پکایا جاتا اور صبح سے شام تک گلی گلی اور محلہ محلہ تقسیم ہوتا۔

اس شادی میں فرانسیسیوں اور کمپنی کے انگریزوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کے حصہ لیا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے۔ جنوبی ہند میں دونوں کے درمیان

پنچا آزمائی ہو رہی تھی ان کی طرف سے دلہا دلھن کو بے شمار قیمتی تحفے دیئے گئے اور دونوں نے نواب کو اپنی وفاداری اور خدمات کا یقین دلایا۔

گھسیٹی بیگم بیماری کا بہانہ کر کے ڈھاکہ میں رہ گئی...... میر زائی اور شوکت جنگ الگ الگ ایک دن کے فرق سے مرشد آباد پہنچے تھے۔ بائیس سال کی عمر ہونے کے باوجود میر زائی پر جوانی کا پورا نکھار تھا۔ پوری محفل میں وہی چمکتی تھی۔ مہمان خواتین اسے دیکھتیں تو اس کے حسن کی تعریف کرتیں۔ میر زائی اور شوکت جنگ نے مصلحتاً شرکت کی تھی۔ ان کا مقصد تو اپنے حق میں رائے عامہ ہموار کرنا اور امراء کا تعاون حاصل کرنا تھا مگر انہیں اس سلسلے میں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ صرف میر زائی کو ایک دلچسپ حادثہ پیش آیا۔ جس کے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔

اس شادی میں دور دور سے مہمان آئے تھے۔ ان کے لیے میدان میں میلوں تک خیمے لگائے گئے تھے۔ مردوں اور عورتوں کے الگ الگ خیمے تھے اور ان خیموں کے سامنے بڑے بڑے بازار لگ گئے تھے۔ جہاں مرد اور عورتیں دن رات خرید و فروخت میں مصروف رہتی تھیں۔ میر زائی ان بازاروں کی رونق بنی ہوئی تھی۔ وہ صبح کو سج دھج کے نکلتی تو شام تک وہیں گھومتی رہتی۔ میر جعفر بنگال کے بڑے امراء میں سے تھا اور مرزا محمد شاہ کا چھوٹا بھائی تھا۔ وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ شادی میں مدعو تھا۔ اس کے دونوں بیٹے میرن اور نجم الدولہ بڑے منچلے اور دل پھینک تھے۔ میرن تو اپنی عیاشیوں کی وجہ سے پورے مرشد آباد میں مشہور تھا۔ اس نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں عیش و عشرت کی فراوانی تھی۔ اس کا باپ میر جعفر خود بڑا عیاش تھا اور اس سلسلے میں مکروہ سے مکروہ حرکت کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔

ایک دن میرن اور میر زائی کا بازار میں سامنا ہو گیا۔ بازار کا یہ حصہ مردوں کے لیے مخصوص تھا لیکن خواتین کے آنے پر بھی کوئی پابندی نہ تھی۔ میر زائی کو تو خودنمائی کا شوق تھا۔ وہ اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ اس طرف آ نکلی۔ میرن نے میر زائی کو کئی سال بعد دیکھا تھا۔ گھسیٹی بیگم کی بد دماغی اور غرور کی وجہ سے لوگ اس سے کم ہی ملتے تھے۔ میرن اور میر زائی نے ایک دوسرے کو کچھ تعجب اور کچھ تجسس سے دیکھا۔ میرن اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا اور میر زائی دل ہی دل میں شوکت جنگ اور میرن کا مقابلہ کر رہی تھی۔ میرن

تجیلے پن میں شوکت جنگ سے کسی طرح کم نہ تھا مگر اس کے دیکھنے میں کچھ ایسا والہانہ پن تھا کہ میرزائی کی نظریں اس پر دیر تک ٹکی رہیں۔

میرن کے ساتھ اس کا چھوٹا بھائی نجم الدولہ تھا۔ اس لیے میرن نے خود کو سنبھالا اور ذرا ادب سے بولا۔ "میرزائی میں اس اتفاقیہ ملاقات کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں اور اگر تم مجھ سے بڑی ہو تو میں سلام عرض کرتا ہوں۔"

میرزائی کو بھی دل لگی سوجھی۔ وہ اگر میرن سے عمر میں بڑی نہ تھی تو چھوٹی بھی نہیں تھی مگر لڑکی ہونے کے ناتے وہ اپنے آپ کو بڑا ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی مسکرا کے بولی۔

"نواب میرن اگر عمر ہی کا مقابلہ کرنا ہے تو مجھے کہنا پڑے گا کہ میں تم ہی سے نہیں بلکہ تمہارے اس چھوٹے بھائی نجم الدولہ سے بھی چھوٹی ہوں۔ سلام تو مجھے تم دونوں کو کرنا چاہیے۔"

نجم الدولہ منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے میرزائی کے بے پناہ حسن میں کھویا ہوا تھا۔ اپنا نام سن کے وہ چونکا اور نظریں نیچی کر لیں۔ میرن میرزائی کی باتوں میں محو تھا۔ اس لیے وہ نجم الدولہ کی بوکھلاہٹ محسوس نہ کر سکا لیکن چالاک میرزائی خانم نے نجم الدولہ کی نظروں کا پیغام اچھی طرح سمجھ لیا اور دل میں خوش ہوئی کہ اگر شوکت جنگ نے کسی موقع پر اسے دھوکا دیا تو میرن اور نجم الدولہ اس کی ضرور پذیرائی کریں گے۔

میرن اس حسن سراپا کی دید میں کچھ ایسا محو ہوا کہ اس کے ذہن سے نجم الدولہ کی موجودگی کا خیال ہی نکل گیا اور بڑی بے تکلفی سے کہا۔ "میرزائی بازار میں کھڑے ہو کر گفتگو کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم دونوں کسی جگہ بیٹھ کے گفتگو کریں۔"

میرزائی نے کچھ حیرت سے میرن کو دیکھا۔ اسے میرن کی اس بے باکی پر غصہ بھی آیا لیکن اس نے یہی بہتر خیال کیا کہ میرن کو کوئی سخت جواب دینے کی بجائے آئندہ گفتگو کا راستہ کھلا رکھے۔ اس نے غصہ دباتے ہوئے ہنس کے کہا۔ "ہم دو نہیں بلکہ اس وقت تین ہیں۔ اگر کبھی دو ہونے کا موقع ملا تو ضرور گفتگو کریں گے۔"

میرن اس ذو معنی جواب پر میر زائی کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ میر زائی نے ایک طرف تو اسے نجم الدولہ کی موجودگی کا احساس دلایا تھا تو دوسری طرف دو ہونے کے حوالے سے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ کھسیا کے بولا۔ ”میں کسی ایسے وقت کا انتظار کروں گا میر زائی۔ نجم الدولہ ابھی بچہ ہے۔ اس کی فکر کی ضرورت نہیں۔“

”بچے بڑوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں میرن“ میر زائی نے نجم الدولہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے تم دونوں میں کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا۔“

میرن اور زیادہ شرمندہ ہو گیا۔ میر زائی اسے ترکی بہ ترکی جواب دے رہی تھی۔ میرن کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو کہا۔ ”ارے نجم کا ذکر تو بس میں نے یونہی کیا تھا۔ اب یہ بتاؤ کہ دوسری ملاقات کی کب تک امید کی جائے۔“

میر زائی کی رگ ظرافت پھڑکی۔ بولی ”نواب میرن“ کس دنیا کا ذکر کر رہے ہو۔ ابھی تو پہلی ملاقات ہی نہیں ہوئی“ تم دوسری کی توقع کر رہے ہو۔“ پھر ایک لمحے کے لیے رک کر بولی۔ ”کیا تم بنگال کے حالات سے بے خبر ہو۔“

میر زائی کے اچانک سوال پر میرن گھبرا گیا۔ اس نے ذہن پر زور دینے کا تاثر دیا پھر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ بنگال کے حالات بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔“

”ابھی ولی عہدی کا اعلان ہونا باقی ہے نواب میرن۔“ میر زائی نے جیسے دھماکا کیا۔

یہ واقعی زبردست دھماکا تھا۔ نواب میرن اور نجم الدولہ جیسے اچھل پڑے۔ میرن تو سوچ میں پڑ گیا۔ نجم الدولہ کو موقع ملا۔ ایک قدم آگے بڑھ کے بولا۔ ”ولی عہدی مرزا محمد شاہ کے نام لکھی جا چکی ہے۔ اس بارے میں فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“

”کیوں! مرزا محمد شاہ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔“ میر زائی چمک کے بولی۔ ”تم ولی عہد کیوں نہیں ہو سکتے“ نواب میرن اور شوکت جنگ میں کیا عیب ہے۔ کیا تم سب نواب خاندان سے نہیں ہو؟“

نواب میرن نے سر اٹھا کے میر زائی کو دیکھا۔ یہ خیال اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ نجم الدولہ بھی اس بات پر چونک اٹھا تھا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے بات بنائی۔ "میر زائی میں تمہاری بات کا مخالف نہیں ہوں لیکن ہم سب سے زیادہ با حضور کا حق ہے' ہمارے خاندان میں سب سے بڑے وہی ہیں۔"

"یہ ایک الگ بات ہے نجم الدولہ۔" میر زائی نے کہا۔ "گفتگو تو جواں عمر نواب زادوں کی تھی۔ میرے خیال میں نواب میرن' شوکت جنگ اور تم مرزا محمد شاہ سے زیادہ اہل ہو' قابلیت میں بھی اور شہرت کے اعتبار سے بھی۔"

میر زائی یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور نواب میرن اور نجم الدولہ کو سکتہ سا ہو گیا۔ انہوں نے مرزا محمد شاہ کو ذہنی طور پر پہلے ہی ولی عہد قبول کر لیا تھا۔ اس وقت میر زائی کی بات نے ان کا ذہن جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ انہیں پہلی بار اس بات کا احساس ہوا کہ ان کا شمار بھی پانچوں سواروں میں ہو سکتا ہے اور ولی عہدی پر ان کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا مرزا محمد شاہ کا ہے۔

دوپہر کو میر زائی نے دونوں امیر زادوں کے سامنے یہ شگوفہ چھوڑا اور شام کو اسی بازار میں اس کی میر جعفر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ پتا نہیں یہ محض اتفاق تھا یا میر زائی جان بوجھ کر میر جعفر کے سامنے آ گئی تھی۔ قیاس یہی تھا کہ میر زائی ہر اس امیر سے ملنا چاہتی تھی جو مرزا محمد شاہ کی مخالفت پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

میر جعفر کا سامنا ہوا تو میر زائی نے انہیں ادب سے سلام کیا۔

"آداب پیش کرتی ہوں پھوپا جان۔"

میر جعفر میر زائی کو دیکھ کر بوکھلا گیا۔ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "ارے تم...... تم میر......"

"جی ہاں۔ میں میر زائی ہوں۔" اور میر زائی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

میر جعفر کو یوں لگا جیسے بہار میں ایک ساتھ سینکڑوں شگوفے کھل اٹھے ہوں۔ میر جعفر ذہنی طور پر بدطینت اور بوالہوس تھا۔ اس نے کئی دفعہ میر زائی کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ میر زائی نے میر جعفر کے بہت سے افسانے سن رکھے تھے۔ وہ رشتے میں میر جعفر کی بھتیجی ہوتی تھی لیکن اسے میر جعفر کی نظریں پڑھنے میں کوئی دقت نہ ہوئی اور وہ دل ہی دل میں بوڑھے کی بے حیائی پر ہنسی۔

میر جعفر کے ہوش بجا ہوئے تو بولا۔ ''میر زائی تم اتنی جلدی جوان ہو گئی۔ چار سال پہلے تو تم بالکل بچی تھیں۔''

میر زائی نے اس کی طرف بھی جال پھینکا۔ اٹھلا کے بولی۔ ''پھوپا حضور! میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو آج دس سال بعد دیکھا ہے اگر میں پہلے بچی تھی تو کیا دس سال تک میں بچی ہی رہتی۔ مجھے بھی نہ کبھی تو جوان......'' اور میر زائی پھر ہنس پڑی۔

بدقماش میر جعفر بھتیجی پر ریشہ خطمی ہو گیا۔ ادھر ادھر دیکھ کے بولا۔ ''میر زائی' کسی دن آؤ ہماری طرف۔ تم سے تو باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔''

''ضرور آؤں گی نواب پھوپا'' میر زائی نے ذرا اور ڈھیل دی۔ ''مگر آپ تو آج کل اپنے جھگڑوں میں الجھے ہوں گے۔''

''کیسے جھگڑے۔ میرا کسی سے کوئی جھگڑا......'' میر جعفر نے اسے متجسس نظروں سے دیکھا۔

''لیجئے آپ مجھ سے چھپاتے ہیں'' میر زائی نے بڑی ادا سے پلو سنبھالا۔ ''کیا آج کل ولی عہدی کا جھگڑا نہیں چل رہا ہے۔ پہلے امیدوار تو آپ ہی ہیں۔''

''میں......!'' میر جعفر نے حیرانی سے پوچھا۔ ''یہ تم سے کس نے کہا؟''

''جناب! میں بھی کچھ نہ کچھ خبر رکھتی ہوں'' میر زائی نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ ''کیا بڑے نواب کے بعد آپ کا حق نہیں ہے۔ سب سے زیادہ تجربہ کار اور طاقتور امیر آپ ہی ہیں۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ آپ اپنے بیٹوں کی وجہ سے سامنے نہ آئیں۔''

میر جعفر کچھ کم چالاک نہ تھا۔ وہ فوراً پہلو بچا گیا۔ بولا۔ "میرزائی سچ بات تو یہ ہے کہ میں اور میرے بیٹے اس قصے میں نہیں پڑنا چاہتے۔ نواب علی وردی خان جسے چاہیں ولی عہد مقرر کر دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" پھر ہنس کے بولا۔ "تمہاری امی گھسیٹی بیگم مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ کار ہیں۔ ان کا کیا خیال ہے؟"

اس وقت دو شاطر اپنی اپنی چالیں چل رہے تھے۔ اور ایک دوسرے سے باتوں ہی باتوں میں سب کچھ اگلوانا چاہتے تھے۔ میرزائی اس کے سوال کا مقصد سمجھ گئی اور فوراً جواب دیا۔ "نواب پھوپا' عجیب بات ہے' امی حضور اور آپ کے خیالات کس قدر ملتے جلتے ہیں۔ ایک بار یہ ذکر نکلا تھا تو امی حضور نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ پہلا حق نواب میر جعفر کا ہے مگر شاید وہ اور ان کے بچے اس معاملے میں نہیں پڑیں گے۔"

"یہ تو میں نے کہہ ہی دیا۔" میر جعفر نے کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ نواب علی وردی خان اپنے نواسے مرزا محمد شاہ کو ولی عہد نامزد کریں گے اور ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے گھسیٹی بیگم سے ضرور مشورہ کیا ہوگا؟"

میر جعفر نے بات گھما کر اپنا سوال دہرایا تھا۔ اس دفعہ میرزائی بیگم کو اگلنا ہی پڑا' کیونکہ بغیر بتائے بات آگے بڑھنا مشکل تھی۔ اس نے کہا۔ "امی حضور آج کل بیمار ہیں وہ مرزا کی شادی میں بھی شرکت نہیں کر سکیں مگر میرا خیال ہے کہ اگر ان سے مشورہ طلب کیا گیا تو شاید وہ مرزا محمد شاہ کی حمایت نہ کر سکیں۔"

میر جعفر نے وہ معلوم کر لیا جس کی اس کے دل میں خلش تھی مگر کسی تاثر کا اظہار کیے ہوئے بڑی سادگی سے پوچھا۔ "گھسیٹی بیگم جہاندیدہ خاتون ہیں ان کے ذہن میں بھی تو کسی کا نام ہوگا؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔" میرزائی نے بھی اپنا دامن بچایا۔ "مگر خیال یہ ہے کہ وہ مرزا محمد شاہ کے مقابلے میں شوکت جنگ کی حمایت کریں گی۔ وہ بھی اس صورت میں کہ آپ یا آپ کا کوئی بیٹا ولی عہدی کا امیدوار نہ ہو کیونکہ امی حضور آپ لوگوں کو سب پر فوقیت دیتی ہیں۔"

میرزائی نے کچھ کھویا تو کچھ حاصل بھی کیا۔ وہ گھسیٹی بیگم کی ہمدردی کا اظہار کر کے میر جعفر کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے کہا۔ ''میں گھسیٹی بیگم کا شکر گزار ہوں کہ وہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو دوسروں پر ترجیح دیتی ہیں۔ انہیں یقین دلانا کہ اگر انہوں نے کبھی شوکت جنگ کا نام پیش کیا تو میں ان کے ساتھ ہوں گا۔''

''نواب پھوپا آپ کبھی ڈھاکہ تشریف لائیے۔'' میرزائی اپنی کامیابی کی خوشی میں بے خود ہو گئی۔ ''امی حضور آپ سے مل کے ضرور خوش ہوں گی۔''

''ہاں میں آؤں گا۔'' میر جعفر نے وعدہ کیا۔ ''لیکن پہلے تم میرے خیمے پر آؤ گی۔ تم نے پہلے وعدہ کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں پہلے آؤں گی۔''

''کیا میرا خیمہ جانتی ہو تم؟''

''ڈھونڈے سے خدا مل جاتا ہے۔''

''میں انتظار کروں گا کب آؤ گی؟''

''انتظار اچھی چیز ہے میں کسی وقت بھی آ سکتی ہوں۔'' اور میرزائی مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

❀ ❀ ❀

گھسیٹی بیگم کی بیٹی بڑی شاطرانہ چالیں چل رہی تھی۔ دو تین ملاقاتوں میں اس نے میر جعفر جیسے بڈھے خرانٹ کو اپنا غلام بنا لیا۔ دوسری طرف وہ نواب میرن اور نجم الدولہ سے بھی ملتی رہی اور دونوں کو الگ الگ اپنی محبت کا یقین دلاتی رہی۔ اس خطرناک کھیل میں وہ کئی بار بری طرح الجھی بھی مگر گھسیٹی بیگم کی بیٹی تھی۔ صاف بچ کے نکل گئی۔ شوکت جنگ تو اس کا خاص مہرہ تھا اور یہ سب کچھ وہ اسی کے لیے کر رہی تھی۔ وہ روز شوکت جنگ کو اپنی کامیابی کے قصے سناتی اور بتاتی کہ اس نے کس طرح کس امیر کو رام کیا

ہے۔شوکت جنگ اس کے ہر اقدام کی دل کھول کے داد دیتا لیکن بباطن وہ میرزائی سے روز بروز خائف ہوتا جا رہا تھا۔وہ ڈر رہا تھا کہ اگر اسے گھسیٹی بیگم اور میرزائی کی کوشش سے ولی عہدی اور نوابی حاصل ہوئی اور اسے میرزائی سے مجبوراً شادی کرنا پڑی تو وہ اس آفت کی پرکار کو کس طرح تابو میں رکھ سکے گا لیکن وہ اپنے دل کو یہ سمجھا کر مطمئن کر دیتا کہ اس وقت ایسی باتیں سوچنا اپنے پیر میں کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔پھر جب وہ نواب ہو جائے گا تو میرزائی اور گھسیٹی بیگم کو اس عالم میں بھیج دے گا جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

گھسیٹی بیگم کو مرزا محمد شاہ کی شادی میں شریک نہ ہونے کا بڑا ملال تھا مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میرزائی نے بڑی چالاکی سے دوبار بنگال کے بیشتر امراء کو شوکت جنگ کی حمایت میں آمادہ کر لیا ہے تو وہ بہت خوش ہوئی۔میر جعفر اور اس کے دونوں بیٹوں کی حمایت کا حال سن کر اسے یقین ہو گیا کہ......شوکت جنگ کی ولی عہدی پکی ہو گئی اور اس کی بیٹی علی وردی خان کے بعد نئے نواب شوکت جنگ کی ملکہ بن کے بنگال پر راج کرے گی۔اس نے فیصلہ کیا کہ اتنے بہت سے امیروں کا تعاون حاصل ہونے کے بعد اس کا ڈھاکہ میں خاموش بیٹھنا ٹھیک نہیں وہ شادی کے ہنگامے ختم ہوتے ہی مرشد آباد جائے گی۔نواب شوکت جنگ کی ولی عہدی کے لیے دوبدو بات کرے گی۔

جشن شادی کا ایک مہینہ ختم ہو رہا تھا۔اس کی تکمیل کے ساتھ میرزائی نے اپنی سازش بھی مکمل کر لی تھی۔اس نے میر جعفر اور دوسرے امراء سے طے کر لیا تھا کہ جشن کے فوراً بعد گھسیٹی بیگم مرشد آباد آئیں گی اور شوکت جنگ کی حمایت کرنے والے تمام امیروں کے ساتھ نواب علی وردی خان سے گفتگو کریں گی۔اسے یقین تھا کہ نواب اپنے امیروں کو ناراض نہیں کرے گا اور شوکت جنگ کو ولی عہد نامزد کر دیا جائے گا مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔قسام ازل نے بنگال کی قسمت میں جو کچھ لکھ دیا تھا اسے تو پورا ہونا ہی تھا۔

جشن شادی کے آخری دن نواب علی وردی خان نے امراء اور سرداروں کی ایک شاندار الوداعی دعوت کی۔اس دعوت میں مسلمانوں کے علاوہ حکومت کے ہندو عہدیدار بھی

مدعو کیے گئے۔ ان کے کھانے پینے کا الگ انتظام کیا گیا کیونکہ ہندو مسلمانوں کو نجس اور ملیچھ سمجھتے اور ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاتے۔ یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کا پانی کے گلاس سے ہاتھ بھی چھو جائے تو وہ پانی پینے سے انکار کر دیتے تھے۔ آج بھارت آزاد ہے لیکن ان کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ ہندو مسلمانوں کو ملا کر بھارت کی ایک قومیت کا نعرہ لگاتے ہیں مگر مسلمانوں کے ساتھ کھانا پینا تو الگ بات ہے وہ مسلمانوں سے ہاتھ ملانے میں بھی تکلف برتتے ہیں اور بعض کٹر ہندو تو مسلمانوں سے منہ گھما کر بات کرتے ہیں تا کہ وہ مسلمانوں کی سانس سے گندے نہ ہو جائیں۔

دعوت کے بعد نواب علی وردی خان نے چیدہ چیدہ سرداروں اور امیروں سے خطاب کیا۔ اس تقریب میں غیر ملکیوں کو مدعو نہیں کیا گیا۔ نواب نے کہا۔ "میرے دوستو اور ساتھیو! بنگال ایک پر آشوب دور سے گزر رہا ہے۔ فرانسیسی اور کمپنی کے انگریز تجارتی مراعات کی آڑ میں بنگال میں قدم جمانے کی فکر کر رہے ہیں۔ بظاہر وہ ایک دوسرے کے خلاف مورچہ بند اور صف آراء ہیں لیکن اگر ذرا بھی ڈھیل دی گئی تو بنگال میں ان کی بساط سیاست بچھ جائے گی اور وہ امراء کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر کوئی نیا گل کھلائیں گے۔ میں نے اب تک انہیں دبائے رکھا ہے ان کی تمام مورچہ بندیاں ختم کر دی ہیں لیکن میں اب کتنے دن زندہ رہوں گا۔ میرے بعد بنگال کو ایک پرعزم حکمران کی ضرورت ہے۔"

نواب نے اتنا کہنے کے بعد حاضرین پر نظر ڈالی اور ان کے چہرے سے جھلکتی ہوئی بے چینی کو دیکھا۔ کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ نواب اس الوداعی دعوت میں کوئی سیاسی بات کرے گا لیکن نواب نے جہاں بات چھوڑی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کرنا چاہتا ہے۔ امراء نے اس سلسلے میں اپنے طور پر غور کیا تھا۔ باہم مشورے بھی کیے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ ولی عہدی کا مسئلہ الجھا ہوا ہے اور نواب کسی فیصلے سے پہلے ان سے ضرور مشورہ کرے گا۔ بعض کے ذہنوں میں مرزا محمد شاہ کا نام تھا۔ بعض میر جعفر کو اس عہدے کا اہل سمجھتے ہیں۔ میر زائی نے تگ و دو کر کے بہت سے امیروں کو شوکت جنگ کا طرفدار بنا لیا تھا لیکن یہ سب باتیں بھی ابھی ابتدائی مراحل

میں تھیں۔ امراء کوئی متفقہ فیصلہ اب تک نہ کر سکے تھے۔ نواب کی اس اچانک تقریر نے انہیں چونکا دیا۔
نواب علی وردی خان نے ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد پر رعب اور واضح الفاظ میں کہا۔ "میں نے بنگال کے آئندہ جانشین کے سلسلے میں امیروں اور سرداروں سے گفتگو کی ہے۔ بنگال کے بہی خواہوں اور وفادار سرداروں کی اکثریت نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں اپنے نواسے مرزا محمد شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کروں۔ میں اس مشورے سے اتفاق کرتا ہوں اور آج جشن شادی کے موقع پر میں مرزا محمد شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کرتا ہوں۔"
اعلان ہوتے ہی ہر طرف سے مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہوئیں۔ نواب کا اعلان اچانک ہوا تھا مگر حکومت کے تمام وفاداروں نے نواب کے اس فیصلے کو سراہا۔ نواب کے حفاظتی دستے کا سردار میر مدن اپنی جگہ سے اٹھ کر مرزا محمد شاہ کے پاس گیا اور اسے فوجی سلام کیا پھر مرزا محمد شاہ کا ہاتھ پکڑ کے اسے نواب علی وردی خان کی مسند کے پاس لے گیا۔ نواب تقریر کے بعد مسند پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر مرزا محمد شاہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس وقت ایک قیمتی جوڑا چاندی کی کشتی میں رکھ کر لایا گیا۔ نواب نے وہ جوڑا مرزا محمد شاہ کو بطور خلعت عطا کیا۔

نواب نے تمام باتوں کا پہلے ہی انتظام کر لیا تھا۔ مرزا محمد شاہ کو بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ دعوت میں حاضر رہے۔ مرزا محمد شاہ نے اظہار تشکر کے طور پر سر کو ذرا خم کیا اور ادب سے کہا۔ "مرزا محمد شاہ اس اعزاز پر نواب علی وردی خان ثابت جنگ حکمران بنگال کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔"
نواب نے جواب میں کہا۔ "میں مرزا محمد شاہ ولی عہد بنگال کو سراج الدولہ کا خطاب دیتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ تمام سرکاری اور غیر سرکاری دستاویزات میں مرزا محمد شاہ کے ساتھ سراج الدولہ کا لقب ضرور لگایا جائے۔"
میر جعفر اس کے بیٹوں اور شوکت جنگ کا یہ اعلان سن کر جو حال ہوا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ میرزائی بیگم نے جب سنا تو اپنا سر پیٹ لیا۔ اس نے کیا کیا خواب دیکھے تھے

۔شوکت جنگ کو ولی عہد بنانے کے لیے اس نے کتنے پاپڑ بیلے تھے۔میر جعفر کو رام کرنے کے لیے وہ حد سے بھی کچھ آگے نکل گئی تھی۔میرن اور نجم الدولہ کو قابو میں رکھنے کے لیے اس نے کیسے کیسے تگڑم لڑائے تھے۔افسوس تو تمام امیدواروں کو ہوا لیکن میر جعفر کو شاید سب سے زیادہ صدمہ ہوا۔اس نے میرزائی کو شوکت جنگ کے حق میں اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا لیکن میرزائی نے اسے پہلا حقدار کہہ کر اس کے دل میں گدگدی پیدا کر دی تھی۔وہ ایک بڑا امیر ہونے کے ساتھ فوج کے ایک بڑے حصے کا سردار بھی تھا۔سراج الدولہ کی ولی عہدی سے وہ بڑا چراغ پا ہوا۔نواب علی وردی خان کی زندگی میں تو وہ کچھ نہ کر سکتا تھا لیکن اس کے دل میں بھی گرہ پڑ گئی۔

جشن شادی ختم ہو گیا لیکن نواب علی وردی خان نے اس میں یہ کہہ کر تین دن کا اور اضافہ کر دیا کہ ولی عہد سراج الدولہ کی نامزدگی کے سلسلے میں جشن کو جاری رکھا جائے۔لوگ واپس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے لیکن انہیں پھر رکنا پڑا۔سمٹتے ہوئے بازار پھر کھل گئے اور جاتی ہوئی رونقیں واپس آ گئیں۔شوکت جنگ نے دوسرے امیروں کے ساتھ دربار میں سراج الدولہ سے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا لیکن دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔تین روز تک وہ اپنے خیمے سے نہ نکلا۔میرزائی نے اس سے ملنے کی کئی بار کوشش کی مگر شوکت نے اسے منہ نہ لگایا اور اسے اپنے خیمے میں آنے کی اجازت نہ دی۔

ولی عہدی کا جشن ختم ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس چلے گئے۔شوکت جنگ اور میرزائی بھی ڈھاکہ واپس ہو گئے۔شوکت جنگ بے سہارا اور دل برداشتہ تھا مگر سوائے گھسیٹی بیگم کے کوئی اور معقول جگہ اس کی سمجھ میں نہ آئی۔میرزائی نے شکوہ شکایت کرنے کے بجائے شوکت جنگ کی پھر دلداری شروع کر دی۔گھسیٹی بیگم کے دل میں خواہ کچھ ہو لیکن وہ بڑے مضبوط دل گردے کی مالک تھی۔اس نے یہ کہہ کر شوکت جنگ اور میرزائی کو حیرت میں ڈال دیا کہ سراج الدولہ کی نامزدگی عارضی ہے اور علی وردی خان کے بعد شوکت جنگ بنگال کا نواب اور صوبے دار بنے گا۔

گھسیٹی بیگم نے جو کہا تھا اس میں کچھ حقیقت بھی تھی۔وہ ڈھاکہ میں خاموش نہیں بیٹھی تھی۔ایک ماہ کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔پھر ایسے وقت میں جب پورے بنگال کی توجہ

سراج الدولہ کی شادی اور ولی عہدی کی طرف تھی۔ گھسیٹی بیگم نے خیالی اور عملی گھوڑے دوڑانا شروع کر دیے تھے۔ ڈھاکہ کا سیٹھ کرشن داس نواب علی وردی خان کا مالیاتی مشیر تھا۔ آدھے بنگال کا مالیانہ اس کے پاس جمع ہوتا تھا۔ کرشن داس بڑا منافق تھا۔ وہ نواب کا با اعتماد ناظم مال ہونے کے ساتھ انگریز کمپنی سے بھی ساز باز رکھتا تھا اور انہیں ڈھاکہ اور مرشد آباد کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتا تھا۔ اس کے صلے میں اسے انگریز کمپنی سے ایک معقول معاوضہ ملتا تھا۔

نواب علی وردی خان نے ولی عہد کا اچانک اعلان کر کے اتنی زبردست سیاسی چال چلی تھی جس نے دشمنوں اور مفاد پرستوں کا منہ پھیر کے رکھ دیا اور سازش کی دھیمی دھیمی آنچ شعلہ بننے سے پہلے ہی بجھ گئی تھی۔ نواب کو اس سے بڑا اطمینان ہوا اور اس نے ایک دن سراج الدولہ سے ہنس کے کہا تھا کہ سازش کے پودے کے ابھرنے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر نواب کا شاید یہ خیال غلط تھا یا اس کی ضعیف العمری کہ وہ حالات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح نواب علی وردی خان نے سازشیوں کو فریب دے کر اپنا کام پورا کر لیا۔ اسی طرح انہی سازشیوں نے نواب کو اپنی وفاداری کا فریب دے کر سازش کی جڑیں اور بھی گہری کر دیں۔ سب سے زیادہ آگ کمپنی کے صدر (گورنر) ڈریک کے دل میں لگی ہوئی تھی۔ جس وقت نواب علی وردی خان نے تمام پٹنہ اور کلکتہ کی مورچہ بندیاں گروا دیں تو گورنر ڈریک نے سخت احتجاج کیا تھا۔ اس کی دلیل تھی کہ مورچہ بندیاں فرانسیسیوں کے خطرے کے پیش نظر کی گئی ہیں جس کا جواب نواب علی وردی خان نے ایسا دیا تھا جو ایک تاریخی چٹکلہ بن گیا۔ نواب نے کہا۔

”ڈریک یاد رکھو تم ہماری ریاست میں ہو اور تمہاری حفاظت ہمارا فرض ہے۔ کیونکہ تم ہماری رعیت ہو، حکومت تمہیں یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ اس کا فرض تم ادا کرو۔“

اور اس کے ساتھ ہی نواب نے انگریزوں کی تمام مورچہ بندیاں مسمار کر دیں۔

گھسیٹی بیگم کو اس کا علم تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کمپنی کی پشت پر انگلستان کی عظیم الشان حکومت ہے۔ وہ اس طاقت سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ گھسیٹی بیگم نے انگریز کمپنی اور ایسے تمام سرداروں امیروں کے گرد اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا جو نواب علی وردی خان اور سراج الدولہ کے مخالف تھے۔ اس دوران اسے اطلاع ملی کہ سیٹھ کرشن

داس کا ایک آدمی اکثر کلکتہ جاتا ہے اور کمپنی کے صدر سے ملتا رہتا ہے۔ گھسیٹی بیگم نے اپنے کلکتہ کے جاسوس کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا۔ اس نے اس اطلاع کی تصدیق کی اور یہ انکشاف کیا کہ سیٹھ کرشن داس اور گورنر ڈریک میں باقاعدہ خط و کتابت ہوتی ہے۔ گھسیٹی بیگم نے بڑی چالاکی سے سیٹھ کرشن داس کے قاصد کو گرفتار کرالیا۔ اس کے پاس سے سیٹھ کا لکھا ہوا ایک خط نکلا جو ڈریک کے نام تھا۔ یہ خط سیٹھ کرشن داس کو غدار ثابت کرتا تھا۔

گھسیٹی بیگم نے اسی وقت سواری تیار کرائی اور سیدھی کرشن داس کے گھر پہنچ گئی۔ گھسیٹی بیگم سے کون واقف نہ تھا۔ کرشن داس اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے بڑی عزت سے گھسیٹی بیگم کو بٹھایا اور عاجزی سے کہا۔ ''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ نواب بیگم نے میرے غریب خانے کو عزت بخشی۔ مجھے حکم دیجئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''کرشن داس تم بہت چالاک بنتے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ میرے جاسوس کلکتہ اور تاسم پور میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔'' گھسیٹی بیگم نے بڑے رعب سے کہا۔ ''مجھے تمہاری اور گورنر ڈریک کی دوستی کا پورا حال معلوم ہو چکا ہے۔ کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو؟''

''نواب بیگم۔'' کرشن داس خود کو سنبھالتے ہوئے بڑے استقلال سے بولا۔ ''آپ کو میرے کسی دشمن نے بہکا دیا ہے۔ میں کمپنی کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔ گورنر ڈریک کا نام میں نے پہلی بار آپ کی زبان سے سنا ہے۔ آپ مجھ پر شبہ نہ کیجئے۔ میں صوبیدار بنگال نواب علی وردی خان کا وفادار ہوں۔''

گھسیٹی بیگم نے جیب سے ایک کاغذ نکال کے کرشن داس کے ہاتھ میں دیا اور کہا۔ ''اسے پڑھ کے دیکھو پھر اپنی وفاداری کی بات کرو۔''

کرشن داس نے کاغذ پڑھا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ یہ اس کے خط کی نقل تھی جو اس نے گورنر ڈریک کو لکھا تھا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور اس کا سر خوف اور شرمندگی کی وجہ سے جھک گیا۔

گھسیٹی بیگم نے کہا۔ ''کرشن داس اصل خط میرے پاس ہے اور تمہارا قاصد رگھبیر میری حراست میں ہے۔ اب معاملے کی گفتگو کرو۔ تم اس خط کی کیا قیمت ادا کر سکتے ہو؟''

"مجھ پر رحم کیجئے نواب بیگم۔" کرشن داس نے گھسیٹی بیگم کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ "آپ جتنی رقم طلب کیجئے میں ادا کرنے پر تیار ہوں۔"

"گھبراؤ نہیں کرشن داس۔ میں تمہاری جان نہیں لینا چاہتی۔" گھسیٹی بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں رکھیر کو بھی آزاد کردوں گی اور نواب کو بھی اس کی خبر نہ ہونے دوں گی۔"

کرشن داس نے امید اور خوف کے ملے جلے جذبے سے گھسیٹی بیگم کو دیکھا۔ "نواب بیگم میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا اور آپ جو حکم دیں گی اس پر عمل کروں گا۔"

گھسیٹی بیگم نے کھلے الفاظ میں کہا۔ "کرشن داس تمہاری بچت کی صرف یہ صورت ہے کہ تم مجھ سے تعاون کرو اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کو اس بات پر آمادہ کرلو کہ ضرورت کے وقت وہ اپنی فوجی طاقت سے میری مدد کرے گا۔"

"میں ایسا کر سکتا ہوں۔ ایسا ہو بھی جائے گا۔" کرشن داس نے بڑے یقین سے کہا۔ "لیکن میں آپ پر یہ واضح کردوں کہ کمپنی والوں کے پاس ابھی اتنی فوجی طاقت نہیں ہے کہ وہ صوبیدار بنگال کا مقابلہ کرسکیں۔ آپ ان سے درپردہ جو مدد چاہیں گی وہ مل جائے گی۔"

"مجھے اس بات کا بھی علم ہے کرشن داس۔" گھسیٹی بیگم مسکرائی۔ "آگ میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کی شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مجھے فی الحال انگریزوں سے کسی فوجی مدد کی ضرورت نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نواب اپنا جانشین مرزا محمد شاہ کو مقرر کرنا چاہتے ہیں اور میں اس کے بھائی شوکت جنگ کو بہتر سمجھتی ہوں۔ اگر نواب نے مرزا محمد شاہ کو اپنا جانشین مقرر کردیا تو بھی نواب کی زندگی میں کوئی جھگڑا نہ ہوگا۔ لیکن نواب کے انتقال کے بعد شوکت جنگ بغاوت کرکے حکومت پر قبضہ کی کوشش کرے گا۔ اس وقت اسے فوجی مدد کی ضرورت پڑے گی اگر تم گورنر ڈریک اور شوکت جنگ میں رابطہ قائم کرادو تو نہ صرف تمہاری جان بچ جائے گی بلکہ ہم سب کی ہمدردیاں بھی حاصل ہوجائیں گی۔"

''نواب بیگم آپ مجھ پر اعتماد کریں۔ جو آپ نے کہا ہے بالکل ایسا ہی ہو گا۔'' کرشن داس نے گھسیٹی بیگم کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''آج سے میں آپ کے ساتھ ہوں اور شوکت جنگ کی ولی عہدی کے سلسلے میں آپ کو جس قدر رقم کی ضرورت ہو گی میں مہیا کروں گا۔''

گھسیٹی بیگم نے پہلی ہی ملاقات میں رعب ڈال کر کرشن داس کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ کرشن داس کی سازش رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اس وجہ سے وہ فوراً تعاون پر آمادہ ہو گیا۔ کمپنی کا گورنر ڈریک اور حکومت بنگال کے مفاد پرست امیر مرزا محمد شاہ کی متوقع ولی عہدی سے خائف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر محمد شاہ نے نواب علی وردی خان کے بعد حکومت کی باگ سنبھالی تو انہیں اپنی من مانی کرنے کا موقع نہ ملے گا کیونکہ محمد شاہ میں ایک حکمران کی اعلیٰ صفات بڑی حد تک پائی جاتی تھیں۔

گھسیٹی بیگم اپنی اس کامیابی پر خوش ہو کے ڈھاکہ میں بیٹھی تھی کہ مرزا محمد شاہ کو نواب نے سراج الدولہ کا خطاب دے کر ولی عہد نامزد کر دیا۔ گھسیٹی بیگم کو اس سے ایک دھچکا سا لگا۔ اس نے خود کرشن داس کو بلا کر اس سے مشورہ کیا۔ کرشن داس نے گورنر ڈریک سے تمام معاملات طے کر لیے تھے اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ شوکت جنگ کی پوری مدد کرے گا اور اگر شوکت جنگ کے علاوہ کوئی اور بنگال کا صوبیدار بنا تو وہ شوکت جنگ کو فوجی مدد دیں گے۔

کرشن داس نے یہ تمام باتیں گھسیٹی بیگم کو بتا دیں اور اسے پورا یقین دلایا کہ جب سراج الدولہ نواب کی گدی سنبھالے گا تو انگریزوں کی مدد سے اس کے خلاف بغاوت کر دی جائے گی پھر جب شوکت جنگ اور میرزائی خانم اپنے مشن میں ناکام ہونے کے بعد منہ لٹکائے ہوئے گھسیٹی بیگم کے پاس آئے تو گھسیٹی بیگم نے انہیں اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ شوکت جنگ کا مرجھایا ہوا دل ایک بار پھر کھل اٹھا۔ اسے امید بندھی کہ نواب علی وردی خان کے بعد وہ انگریزوں کی مدد سے بنگال پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ میرزائی جو اپنی ماں کو اپنے سے کم سمجھدار تصور کرتی تھی، گھسیٹی بیگم کی قائل ہو گئی اور تصور ہی تصور میں خود کو بنگال کی ملکہ سمجھنے لگی۔

۱۷۵۶ء کے آخری دنوں میں بنگال کے مرد آہن نواب علی وردی خان نے اسی سال کی عمر میں دارفانی کو خیر باد کہا۔ نواب کی وفات نے بنگال پر گہرا اثر ڈالا۔ مرزا محمد شاہ کو ولی

عہد تسلیم کیا جا چکا تھا۔ اس لیے وفادار امراء نے دل سے اور مفاد پرستوں نے بے دلی سے اس عہد کو تسلیم کیا اور مرزا محمد شاہ ...... سراج الدولہ کے نام سے صوبیدار بنگال مقرر ہوا۔ سراج الدولہ کی تعلیم و تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تھی لیکن وہ اس اہم عہدے کے لیے عمر کے لحاظ سے کم تھا۔ تخت نشین کے وقت اس کی عمر صرف انیس سال بیان کی جاتی ہے لیکن یہ درست نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی عمر کتنی ہی ہو لیکن اس کا تجربہ یقیناً کم تھا۔

جاہ طلب امراء اور نواب علی وردی خان سے ناراض سردار اس انتظار میں تھے کہ کب علی وردی خان کی آنکھ بند ہو اور کب وہ اس کے جواں سال جانشین کو نوچنا شروع کر دیں۔ ان میں سے بعض سراج الدولہ کو پسند نہ کرتے تھے اور بنگال کے حصے بخرے کر کے الگ الگ اپنی ریاستیں قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ سراج الدولہ کی طاقت کو کمزور کرنے کے خواہاں تھے لیکن انہیں یہ خبر نہ تھی کہ بنگال کے اصل دشمن انگریز ہیں جو مرشد آباد کے قریب قاسم بازار اور کلکتہ میں گھات لگائے سازشوں کا ایسا مضبوط جال بن رہے ہیں جس میں وہ سب پھنس کر رہ جائیں گے۔

سراج الدولہ سے انگریزوں کی مخالفت روز اول ہی ظاہر ہو گئی۔ مسند نشینی کے جشن میں موافق اور مخالف تمام امراء اور سرداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فرانس کے تاجروں کا ایک وفد بھی دربار میں حاضر ہوا اور اس نے نذر پیش کی لیکن قاسم بازار اور کلکتہ کے انگریز تاجروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ان کی طرف نہ نذرانہ آیا اور نہ تہنیت نامہ پیش ہوا۔ نواب سراج الدولہ کی نوابی رگ پھڑکی اور بھڑک اٹھی۔ انگریزوں نے اس کی توہین کی تھی۔ سراج الدولہ نے کلکتہ اور قاسم بازار میں مقیم سرکاری پرچہ نویس سے رپورٹ طلب کی۔ پرچہ نویس گورنر ڈریک سے ملنے گیا تو ڈریک اس سے سختی سے پیش آیا۔

پرچہ نویس کو غصہ آ گیا اس نے تند لہجے میں کہا۔ ''انگریز کمپنی نواب بنگال کے ماتحت ہے اور یہاں کے تمام انگریز نواب کی رعایا ہیں اگر تم نے دربار میں اپنی عدم موجودگی کا صحیح جواز پیش نہ کیا تو تم پر بغاوت کا جرم عائد کیا جائے گا۔''

ڈریک نے بڑی خودسری سے جواب دیا۔ "ہم تاجر ہیں اور ہماری کمپنی صرف تجارت کرتی ہے۔ ہمیں بنگال کے نواب کی خوشی یا غم سے کوئی تعلق نہیں۔ کمپنی سے معاہدے میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں کہ مسند نشینی کے جشن میں حاضر ہو کر ہم نذرانہ پیش کریں۔"

"ڈریک صاحب" پرچہ نویس اکڑ گیا۔ "یہ انگلستان نہیں بنگال ہے۔ ہمارے یہاں رعایا اپنے بادشاہ کی خوشی اور غم میں برابر کی شریک ہوتی ہے۔ تمہاری طرف سے یہ غلطی ہوئی ہے اسلیے معذرت نامہ پیش کرو تا کہ میں دربار سے تمہاری معافی کی سفارش کرسکوں۔"

"میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔" ڈریک نے صاف انکار کردیا۔ "معذرت کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"ڈریک صاحب" تمہیں اس گستاخی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ پرچہ نویس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

"میرے اوپر رعب ڈالنے کی ضرورت نہیں۔" ڈریک نے تیوریوں پر بل ڈال کے کہا۔ "کون جانتا ہے کہ خمیازہ کون بھگتے گا۔"

انگریزوں نے کلکتہ اور قاسم بازار میں اسی دن سے مورچہ بندیاں پھر شروع کردی تھیں جس دن نواب علی وردی خان کا انتقال ہوا تھا۔ پرچہ نویس کو اس بارے میں بھی رپورٹ بھیجنا تھی۔ اسے گورنر ڈریک کے تلخ جواب پر غصہ تو بہت آیا لیکن اسے مورچہ بندی کے بارے میں بھی پوچھنا تھا۔ اس لیے وہ ذرا نرم پڑتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے جواب سے دربار کو مطلع کردوں گا لیکن مجھے کمپنی کی نئی مورچہ بندی کا سبب بھی معلوم ہونا چاہیے۔"

سرکاری پرچہ نویس عام طور پر خود کو پوشیدہ رکھتے تھے اور خفیہ طور پر تحقیقات کر کے رپورٹ تیار کرتے تھے لیکن یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اسے گورنر ڈریک سے براہ راست گفتگو کرنا پڑی۔

گورنر ڈریک نے منہ بنا کے کہا۔ "تمہیں علم نہیں کہ یورپ میں انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہے۔ جنوبی بھارت میں بھی فرانسیسیوں سے ہماری جنگ ہو رہی

ہے۔ یہاں بھی فرانسیسی کسی وقت ہم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے احتیاطی طور پر مورچہ بندی شروع کی ہے۔"

"یہ تمہارے ملک کی جنگ ہے گورنر ڈریک۔" پرچنولیس کو طیش آ گیا۔ "تم لوگوں نے پہلے بھی اس قسم کی مورچہ بندی کی تھی اور مرحوم نواب نے یہ کہہ کر اسے مسمار کرا دیا تھا کہ انگریز تاجروں کا محافظ بنگال کا نواب ہے۔ انہیں کسی مورچہ بندی کی ضرورت نہیں۔"

❁❁❁

پرچنولیس اور گورنر ڈریک کی تو تو میں میں سے بات بہت بڑھ گئی۔ پرچنولیس نے وہاں سے واپس آ کے نواب سراج الدولہ کو ایک تفصیلی رپورٹ تیار کر کے روانہ کی۔ گورنر ڈریک نے بھی فوراً کارروائی کی۔ سب سے پہلے اس نے قاسم بازار میں پرچنولیس کے گھر کے گرد پہرہ لگا دیا تا کہ اس کی بھیجی ہوئی رپورٹ نواب سراج الدولہ تک نہ پہنچ سکے۔ ڈریک اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور رپورٹ انگریزوں کے ہاتھ لگ گئی۔ ڈریک نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ سیٹھ کرشن کے ذریعے شوکت جنگ کو ڈھاکہ میں بغاوت کرنے کا حکم دیا۔ اس نے شوکت جنگ کو یقین دلایا کہ ڈھاکہ میں بغاوت ہوتے ہی انگریز کلکتہ اور قاسم بازار پر قبضہ کر کے اس کی مدد کے لیے کھلم کھلا میدان میں آ جائیں گے۔

شوکت جنگ کو اسی وقت کا انتظار تھا۔ حکومت کے بہت سے باغی سردار اور امیر ڈھاکہ میں جمع ہو گئے تھے لیکن ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو شوکت جنگ کے بجائے گھسیٹی بیگم کے زیر اثر اور نمک خوار تھے۔ ان میں ہر ایک کے ساتھ کچھ سوار پیدل تھے جن کی مجموعی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہوتی تھی۔ شوکت جنگ نے انہیں انگریزوں کے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے گھسیٹی بیگم کی ضمانت طلب کی اور کہا کہ جب تک گھسیٹی بیگم بذات خود بغاوت میں حصہ نہ لیں گے وہ شوکت جنگ کا ساتھ نہ دیں گے۔

کرشن داس نے گھسیٹی بیگم اور گورنر ڈریک کا رابطہ قائم کرا دیا تھا لیکن چالاک انگریز گھسیٹی بیگم سے زیادہ اہم مہرہ شوکت جنگ کو سمجھتے تھے کیونکہ شوکت سراج الدولہ کا بھائی تھا اور انگریزوں کے خیال میں وہ گھسیٹی بیگم سے زیادہ بااثر تھا۔ شوکت جنگ کا اصل مقصد تو بنگال کی مسند حاصل کرنا تھی۔ اسے انگریزوں کا سہارا ملا تو وہ گھسیٹی بیگم اور میر زائی کی طرف سے کچھ بے پروا ہو گیا۔ یہ بات ماں بیٹی کو سخت ناگوار گزری۔ انہیں اس بات کا افسوس ہوا کہ انہوں نے شوکت جنگ کا غلط انتخاب کیا۔

شوکت جنگ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسے گھسیٹی بیگم سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اس کے انگریزوں سے بالواسطہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے اور انگریزوں نے ڈھاکہ میں بغاوت کرنے کا اسی کو حکم دیا تھا لیکن اس وقت وہ بڑی الجھن میں پھنس گیا جب باغی سرداروں اور امیروں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ گھسیٹی بیگم اور میر زائی سے دوبارہ تعلقات استوار کرے اور ان کے ذریعے سے باغی سرداروں کا تعاون حاصل کرے۔

گھسیٹی بیگم کی واقعات اور حالات پر پوری نظر تھی۔ سیٹھ کرشن داس چونکہ ان کا احسان مند تھا اور اس کا اصلی خط بھی اب تک گھسیٹی بیگم کے پاس موجود تھا۔ اس لیے اس نے گورنر ڈریک کا پیغام شوکت جنگ کے ساتھ ساتھ گھسیٹی بیگم کو بھی پہنچا دیا تھا۔ گھسیٹی بیگم کو شوکت جنگ کی طوطا چشمی پر سخت غصہ تھا۔ اس کی بیٹی میر زائی نے رو رو کے اپنا برا حال کر لیا تھا اور وہ صبح سے شام تک ماں سے ضد کرتی رہتی تھی کہ شوکت جنگ سے اس بے وفائی اور کمینگی کا بدلہ لیا جائے۔

شوکت جنگ کو مجبوراً گھسیٹی بیگم کے پاس جانا پڑا۔ وہ بھیگی بلی بنا اس کے سامنے پہنچا۔

گھسیٹی بیگم اسے دیکھتے ہی بھڑک اٹھی۔ "آؤ شوکت جنگ آؤ خیریت سے تو ہو۔" گھسیٹی بیگم نے جل کے کہا۔ "ترکش میں کوئی اور تیر رہ گیا ہو تو وہ بھی چلا لو۔ ہمارا سینہ تیر کھانے ہی کے لیے بنا ہے۔"

شوکت جنگ نے معذرت کرنے کی کوشش کی مگر الفاظ نے ساتھ چھوڑ دیا اور وہ منہ کھول کے رہ گیا۔

گھسیٹی بیگم غصے سے کانپ رہی تھی۔ اس نے منہ سے تھوک اڑاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو..... مگر تم کس منہ سے کہو گے۔ دغا باز اور احسان فراموش کیا کہہ سکتا ہے۔ جاؤ بغاوت کرو۔ تمہارے چچا ڈریک نے بغاوت کا حکم دیا ہے۔ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ ذرا انگریزوں کا سہارا ملا اور تم نے ہمیں دودھ کی مکھی کی طرح نکال کے پھینک دیا۔ ہم نے تمہیں سہارا دے کر بڑے نواب اور سراج الدولہ کی مخالفت مول لی اور تم نے ہم ہی سے آنکھیں پھیر لیں۔ اپنی اوقات تو دیکھی ہوتی۔ اپنی طاقت کا اندازہ تو لگایا ہوتا۔ تم تو....."

شوکت جنگ منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکا مگر اس کے آنسو نکل آئے اور وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ گھسیٹی بیگم نے گھبرا کر میر زائی کو دیکھا۔ میر زائی کی نظریں شوکت جنگ پر لگی ہوئی تھیں۔ آنسو دراصل عورت کا سب سے بڑا حربہ ہیں مگر کسی شرمندہ اور مجبور مرد کے آنسو بھی کبھی کبھی سخت سے سخت دل کی عورت کو موم بنا دیتے ہیں۔

گھسیٹی بیگم نے بیٹی کی نظریں پہچان لی تھیں اور چاہتی تھیں کہ وہ کچھ بولے تو بات آگے بڑھائی جائے۔

میر زائی نے بھیگی آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور بولی۔ "اماں اب بس کرو۔ شوکت جنگ نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا حالات الٹ پلٹ ہو رہے تھے اس لیے شاید وہ تمہارے پاس نہیں آ سکے۔"

شوکت جنگ کو میر زائی کا سہارا ملا۔ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ خالہ جان میں آپ کا گنہگار ہوں مگر میں اس قدر الجھ گیا تھا کہ آپ تک نہ پہنچ سکا۔ خدا کے لیے اپنا دل صاف کیجیے۔"

"بیٹے شوکت جنگ۔" گھسیٹی بیگم نے فوراً پلٹا کھایا۔ "میرا اس دنیا میں میر زائی اور تمہارے سوا کون ہے۔ یہ سب کچھ تم دونوں کے لیے کر رہی ہوں مگر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میر زائی الگ رو رو کے ہلکان ہو رہی ہے اور تم ہو کہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ جشن مسند نشینی اور ولی عہدی میں وہ کہاں کہاں ماری ماری پھری۔ امیروں

رئیسوں اور سرداروں کو توڑا میر جعفر اور اس کے بیٹوں کو تمہاری حمایت پر آمادہ کیا۔"
"میں میر زائی کا بھی احسان مند ہوں۔" شوکت جنگ نے چاپلوسی شروع کر دی۔ "مجھے اقتدار ملے گا تو یہ برابر کی شریک ہوں گی اور اصل حکومت تو آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ آپ کی اجازت کے بغیر میں ایک قدم بھی نہ اٹھاؤں گا۔"
"یہ سب تو ٹھیک ہے۔" گھسیٹی بیگم مطلب پر آ گئی۔ "آخر تم نے اس غریب کے لیے کیا سوچا ہے؟"
"سوچنے کی کیا بات ہے۔" شوکت جنگ نے جلدی سے کہا۔ "وہ تو ہم آپس میں پہلے ہی طے کر چکے ہیں۔ اقتدار حاصل ہو یا نہ ہو میر زائی تو میری ہیں۔ میری زندگی ہیں۔ میرا سب کچھ ہیں۔"
میر زائی کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ بولی۔ "اماں کیوں پریشان کر رہی ہو شوکت جنگ کو۔ کچھ کرو ان کے لیے' کہیں وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔"
"ٹھیک ہے' بنگال کی گدی میں نے شوکت جنگ کے لیے تیار کر دی ہے۔" گھسیٹی بیگم نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ "مگر میں چاہتی ہوں کہ آج تم دونوں کا نکاح ہو جائے۔"
"آج نہیں خالہ جان' ابھی اسی وقت۔" شوکت جنگ فوراً بولا۔ یہی آخری تیر تو وہ خود چلانے کے لیے آیا تھا۔
میر زائی نے مسرت اور حیرت سے شوکت جنگ کو دیکھا۔ گھسیٹی بیگم ایک لمحہ بے کار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "آج شام تم آ جانا۔ دھوم دھام بعد میں ہوگی' بڑی سادگی سے نکاح ہوگا۔"
اسی شام میر زائی اور شوکت جنگ رشتہ ازدواج میں بندھ گئے۔ شوکت جنگ اپنی جگہ خوش تھا۔ اس نے گھسیٹی بیگم کا تعاون حاصل کر لیا تھا۔ میر زائی اس لیے خوش تھی کہ اس کی شادی متوقع نواب سے ہوئی تھی۔ گھسیٹی بیگم سب سے زیادہ خوش تھیں۔ شوکت جنگ کا اقتدار ان کے ہاتھ میں آ رہا تھا اور ان کی بیٹی بنگال کی ملکہ بننے والی تھی۔

❁❁❁

نواب سراج الدولہ سخت متفکر تھا۔ انگریزوں کی طرف سے اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ کلکتہ اور قاسم پور سے نذرانہ اور تہنیت کا پیغام نہ آنا اس بات کی دلیل تھی کہ وہاں ضرور کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ فرانسیسیوں نے نواب کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا لیکن بنگال میں ان کی کوئی طاقت نہ تھی۔ نواب نے اپنے پرچہ نویس سے رپورٹ طلب کی تھی مگر اس کا بھی اب تک جواب نہ آیا تھا۔ اس شش و پنج میں دو ہفتے سے زیادہ گزر گئے۔ اس وقت اسے ڈھاکہ میں شوکت جنگ کی بغاوت کی اطلاع ملی۔ شوکت جنگ نے ڈھاکہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اب وہ مرشد آباد کی طرف کوچ کرنے کی فکر میں تھا۔

سراج الدولہ نے سرداروں سے مشورہ کیا۔ اس کے دربار میں وفادار کم اور مفاد پرست زیادہ تھے۔ بہرحال طے یہ ہوا کہ پہلے گھر کی آگ کو بجھایا جائے اور شوکت جنگ کی بغاوت کو ختم کرنے کے بعد انگریزوں کو سبق دیا جائے۔ لشکر تیار ہوا اور کوچ کا دن مقرر کر دیا گیا لیکن روانگی سے ایک دن پہلے قاسم بازار کا پرچہ نویس پریشان حال اور گھبرایا ہوا مرشد آباد پہنچا۔ نواب کو اس پر سخت غصہ تھا کہ اس نے اب تک رپورٹ نہیں بھیجی تھی۔

پرچہ نویس نے نواب کو ناراض دیکھا تو ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "نواب عالی مقام مجھے تو آپ جو چاہیں سزا دیجیے مگر پہلے قاسم بازار اور کلکتہ کی طرف توجہ فرمایئے اگر احسان فراموش انگریزوں کی طرف سے ذرا سی بھی غفلت برتی گئی تو وہ سب کچھ ہو جائے گا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" سراج الدولہ چونک پڑا۔ "انگریزوں نے کیا کیا ہے؟"

پرچہ نویس کو نواب کی لاعلمی پر تعجب ہوا۔ اس نے کہا۔ "نواب بہادر میں نے اپنی رپورٹ میں سب کچھ لکھ دیا تھا۔ اب حالات اس سے بھی زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔"

"ہمیں تمہاری کوئی رپورٹ موصول نہیں ہوئی۔" نواب نے تعجب کا اظہار کیا۔ "ہمیں تفصیل سے وہاں کے حالات بتاؤ۔"

"نواب عالی مقام! اب تفصیل کی ضرورت نہیں۔" پرچہ نویس نے کہا۔ "مختصر طور پر عرض ہے کہ انگریزوں کے چار جنگی جہاز گولہ بارود لے کر کلکتہ پہنچ چکے ہیں۔ انہوں نے قاسم بازار اور کلکتہ میں کچے پکے مورچے بنا لیے ہیں۔ دونوں مقام پوری طرح ان کے قبضے میں ہیں۔ حکومت کے وفاداروں کو گھروں سے نکال کر آگ لگا دی ہے۔ مجھے بھی مکان میں نظر بند کر دیا گیا تھا لیکن میں بیوی بچوں کو خدا کے سپرد کر کے وہاں سے بھاگ نکلا ہوں۔ انگریزوں نے خشکی اور تری دونوں طرح کے مورچے قائم کیے ہیں۔"

شوکت جنگ کی بغاوت سے سراج الدولہ پہلے ہی پریشان تھا۔ کلکتہ کے حالات نے اسے اور زیادہ پریشان کر دیا۔ اس نے پرچہ نویس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت اچھا کیا کہ یہاں آ گئے ورنہ ہم وہاں کے حالات سے بالکل بے خبر رہتے۔ اب پہلے ہمیں انگریزوں کی خبر لینا پڑے گی۔ اس بد طینت قوم سے بنگال کی سرزمین کو پاک کرنا ہی پڑے گا۔ بڑے نواب نے یہی کہا تھا کہ فتنہ کو سر اٹھانے سے پہلے ہی اس کا سر کچل دینا چاہیے۔"

نواب سراج الدولہ نے لشکر کا ہراول دستہ اسی وقت کلکتہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اب اس کے لیے شوکت جنگ سے زیادہ انگریزوں کی سرکوبی ضروری ہو گئی تھی۔ دوسرے دن نواب سراج الدولہ نے ڈھاکہ کے بجائے پورے لشکر کے ساتھ کلکتہ کی طرف کوچ کیا۔ نواب کا یہ کوچ اس کی مسند نشینی کے تیسرے مہینے ربیع الاول ۱۱۶۹ھ مطابق جون ۱۷۵۶ء میں ہوا۔

سراج الدولہ کے ڈھاکہ پر حملہ کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی۔ سیٹھ کرشن داس نے گھسیٹی بیگم کا رابطہ انگریزوں سے کرا کر اپنی جان بچا لی تھی لیکن اسے گھسیٹی بیگم اور میرزائی یا شوکت جنگ کی کامیابی کی امید نہ تھی اور اسے خطرہ تھا کہ اگر شوکت جنگ پکڑا گیا تو اس کا راز کھل جائے گا۔ اس لیے اس نے انگریزوں کی گود میں پناہ لینا زیادہ بہتر سمجھا اور ایک رات ڈھاکہ کے خزانے کا تمام مال و متاع لے کر کلکتہ بھاگ گیا اور پورا خزانہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ سراج الدولہ کے حملے کا شوکت جنگ کے دل میں کچھ ایسا

ہول پیدا ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ مگر خیر یہ ہوئی کہ سراج الدولہ ڈھاکہ جانے کی بجائے کلکتہ کی طرف چلا گیا اور ڈھاکہ اس جنگ سے محفوظ رہا۔

کمپنی کے انگریز بہادر اگرچہ پوری تیاری کر چکے تھے اور انہیں خیال تھا کہ سراج الدولہ کی طاقت ڈھاکہ کے حملے میں ضائع ہو جائے گی پھر وہ آسانی سے اس جواں عمر مجاہد کو مار گرائیں گے لیکن ان کی امیدیں اس وقت خاک میں مل گئیں جب نواب کا ہراول دستہ اچانک تاسم بازار پہنچ گیا۔ انگریز اس غیر متوقع حملے سے گھبرا گئے اور انہوں نے بغیر کسی مدافعت کے نواب کے ہراول دستے کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح تاسم بازار پر نواب کا بغیر جنگ کے قبضہ ہو گیا۔

گیارہ دن بعد نواب سراج الدولہ اپنے لشکر کے ساتھ نواح کلکتہ میں نمودار ہوا۔ گورنر ڈریک اور اس کے نائب واٹسن نے بتا کے مقام پر بری اور دریائی مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ ان کے پاس ولایت سے آیا ہوا گولہ بارود بھی تھا مگر سراج الدولہ کے لشکر کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ انہوں نے نواب کے ہراول دستے کا حملہ تو روک لیا تھا مگر سراج الدولہ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ گورنر ڈریک نے کچھ دیر توپ خانہ استعمال کیا تو سراج الدولہ کے پہلے ہی حملے سے گھبرا کر کشتی میں سوار ہو کر اپنی جان بچا لے گیا تمام بری اور دریائی مورچے تباہ کر دیئے گئے اور سراج الدولہ فاتحانہ کلکتہ میں داخل ہوا۔ تمام انگریز کلکتہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صرف ڈیڑھ سو انگریز کلکتہ میں گھر گئے۔ نواب نے حکم دیا کسی انگریز کو قتل نہ کیا جائے صرف حراست میں رکھا جائے۔

دوسرے دن صبح کو فتح کی خوشی میں جشن منایا گیا۔ سراج الدولہ نے جلوس فرمایا اور نذریں گزاری گئیں۔ اس فتح کی خوشی میں نواب سراج الدولہ نے تمام زیر حراست انگریزوں کو آزاد کر دیا اور انہیں کلکتہ سے جانے کے لیے کشتیاں مہیا کی گئیں۔ سراج الدولہ کی اس مہربانی کا صلہ انگریزوں کی ناشکر گزار قوم نے یہ دیا کہ جواں عمر اور نیک مزاج سراج الدولہ پر "بلیک ہول" کی تہمت لگا دی۔ انگریزوں کے مشہور مورخین میکالے اور مارش مین نے اس تہمت پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کر کے تاریخ کا حصہ بنانے کی کوشش کی۔ ان فتنہ پردازوں نے بلیک ہول کی یہ تفصیل بیان کی کہ نواب سراج الدولہ نے کلکتہ پر قبضہ کرنے کے بعد ڈیڑھ سو انگریزوں کو ایک تنگ کوٹھری میں جس

کی لمبائی چوڑائی آٹھ دس فٹ سے زیادہ نہ تھی ٹھونس دیا اور وہ سب دم گھٹ کر مر گئے۔ ایک تنگ کوٹھری میں ڈیڑھ سو انگریز کیا بکری کے بچوں کو بھی نہیں ڈالا جا سکتا نہ کہ انگریز جیسے پلے پلائے دبنے اس میں کس طرح رکھے جا سکتے تھے۔ نواب کو بدنام کرنے کے لیے اس افسانے کو برطانیہ اور ہندوستان کے اسکولوں میں پڑھائی جانے والی کتابوں میں درج کیا گیا۔ اس طرح یہ فرضی قصہ ڈیڑھ سو سال تک ہمارے ذہنوں کو مسموم کرتا رہا اور ہمارے محب وطن مورخوں اور انشاء پردازوں نے بڑی کوششوں سے اس داغ کو دھویا اور اب سراج الدولہ کا بے داغ چہرہ ہمارے سامنے آیا ہے۔

نواب نے کلکتہ کا انتظام درست کیا۔ اس نے مانک چند نامی ایک وفادار ہندو کو کلکتہ کا حاکم بنایا اور حفاظت کے لیے کچھ فوج چھوڑ کر مرشد آباد واپس آ گیا۔ نواب کو ڈھاکہ نہ جانا پڑا کیونکہ اس دوران شوکت قید زندگی سے آزاد ہو گیا تھا...... اور گھسیٹی بیگم کی چہیتی بیٹی میرزائی شادی ہوتے ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ کلکتہ میں انگریزوں پر جو مار پڑی تھی اس نے ڈھاکہ کے باغیوں کی عقل ٹھکانے کر دی تھی۔ ان میں سے بیشتر باغی مرشد آباد پہنچ کر نواب کے مطیع ہو گئے تھے۔ گھسیٹی بیگم کی ہمت نہ پڑی تھی کہ وہ نواب کے پاس جائیں اور معافی طلب کریں حالانکہ نواب نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کی تھی نہ کوئی حکم دیا تھا۔ گھسیٹی بیگم پھر بھی کہیں روپوش ہو گئی تھیں۔

۱۷۵۶ء کے آخری مہینے کسی نہ کسی طرح گزر گئے۔ بنگال میں امن وامان قائم ہو گیا اور سازشوں کا اٹھتا ہوا طوفان دب گیا لیکن ۱۷۵۷ء کا سال پھر بنگال پر ایک ناگہانی لے آیا۔ کلکتہ سے شکست کھا کر بھاگے ہوئے انگریز جنوبی ہند میں جمع ہو گئے تھے۔ فرانسیسیوں سے ان کی لڑائی جاری تھی۔ اسی سن میں انہوں نے فرانسیسیوں کو شکست دی اور ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہیں پھر بنگال کا خیال آیا۔ کلائیو (لارڈ کلائیو) بھی دکن میں موجود تھا۔ انگریزوں نے اپنی پوری طاقت جمع کی اور گوروں اور کالوں کی تمام فوج لے کر دوبارہ بنگال کے ساحل پر لنگر ڈالا۔

کلکتہ کا حاکم مانک چند فوراً مقابلہ پر نکلا اور لڑائی چھڑ گئی۔ کلکتہ میں فوج کم تھی مگر مانک چند نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انگریزوں کو کلکتہ پر قبضہ نہ کرنے دیا۔ نواب سراج الدولہ فوراً لشکر لے کر کلکتہ پہنچ گیا۔ اس وقت دریائی فوج کی کمان واٹسن کے ہاتھ میں تھی اور کلائیو بری فوج کا کمانڈر تھا۔ نواب کے پاس بحری کشتیاں نہ تھیں اس لیے وہ کچھ پریشان ہوا۔ انگریزوں کو بھی کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی تھی اور رسد کی بھی کمی ہو گئی تھی۔ جنگ کو طول دینے میں انہیں زیادہ نقصان کا ڈر تھا۔ اس لیے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

نواب کے محافظ دستے کا سردار میر مدن صلح کے سخت خلاف تھا۔ وہ انگریزوں کی سازشوں سے واقف تھا۔ اس نے نواب کو جنگ جاری رکھنے کا مشورہ دیا لیکن لطف یار خان اور میر جعفر جیسے مفاد پرست نواب کو لڑائی سے باز رکھنے پر مجبور کر رہے تھے۔ انگریزی لشکر میں ابتری پیدا ہو گئی تھی اور وہ نواب کی ہر شرط ماننے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ان کا صرف یہ مطالبہ تھا کہ انہیں کلکتہ میں رہنے کی اجازت دی جائے اور وہ پہلے کی طرح صرف تجارت کر سکیں۔ چنانچہ فروری ۱۷۵۷ء میں ایک عہد نامہ ہوا جس کی رو سے انگریزوں نے اقرار کیا کہ وہ کلکتہ میں کوئی نئی مورچہ بندی نہیں کریں گے اور اپنی سرگرمیاں صرف تجارت تک محدود رکھیں گے۔ نواب سراج الدولہ نے انگریزوں کو کلکتہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ نواب کی غالباً سب سے بڑی غلطی یہی تھی جو بنگال اور پھر پورے ہندوستان کی غلامی کا پیش خیمہ بن گئی۔

❁ ❁ ❁

انگریزوں نے کلکتہ میں قدم جماتے ہی پھر سے سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ شوکت جنگ مر چکا تھا۔ اس لیے انہیں کسی اور طاقتور غدار امیر کی ضرورت تھی۔ بنگال میں نواب کے مخالفوں کی کمی نہ تھی۔ تمام پرانے امراء جو بنگال کی صوبیداری کے امیدوار تھے سراج الدولہ کے مخالف تھے۔ انگریزوں کا زبردست مہرہ سیٹھ کرشن داس اس جنگ میں نہ معلوم کہاں غائب ہو گیا تھا مگر ایک دوسرے سیٹھ نے اس کی جگہ لے لی۔ یہ کلکتہ کا سیٹھ امی چند تھا جس کا اصل نام امیر چند اور مذہب سکھ بتایا گیا ہے۔

سراج الدولہ کے خلاف سازش کا دوسرا جال بچھایا گیا۔ بنگال کا پہلا غدار جو انگریزوں کی مدد سے بنگال میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا اس کا نام لطف یار خان بیان کیا گیا

ہے۔ یہ غدار انگریزوں کے سامنے اتنا جھکا کہ اس نے کہہ دیا کہ وہ انگریزوں کے زیر سایہ بنگال کا حاکم بننے پر آمادہ ہے مگر انگریزوں کا مشیر خاص امی چند اس کا مخالف تھا۔ اس نے اس بنا پر مخالفت کی کہ لطف یار خان متلون مزاج ہے اور اس کا ..... فوج پر کوئی خاص اثر نہیں۔ انگریز امی چند کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے لطف یار خان کی درخواست سرد خانے میں چلی گئی۔

گھسیٹی بیگم اور میر زائی ادھر ادھر چھپی پھر رہی تھیں اور امی چند ان کی تلاش میں تھا۔ انگریزوں کے پہلے حلیف کرشن داس کا قاصد امی چند کی ملازمت میں چلا گیا۔ اسی کے ذریعے امی چند نے گھسیٹی بیگم کو تلاش کر لیا۔ گھسیٹی بیگم کا انگریزوں سے رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ رکھبیر اور امی چند کے ذریعے یہ رابطہ پھر قائم ہو گیا۔ گھسیٹی بیگم نے غداری کے لیے میر جعفر کا نام پیش کیا۔ انگریزوں نے میر جعفر سے معاملات طے کرنے کی ذمے داری گھسیٹی بیگم کو سونپ دی۔ اس طرح گھسیٹی بیگم اپنی لاڈلی بیٹی کے ساتھ بڑی خاموشی سے میر جعفر کی حویلی میں پہنچ گئی۔

میر جعفر عمر کے اس حصے میں تھا جب لوگ گوشہ نشین ہو کر یاد خدا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس کے جوان جوان بیٹے اور بیٹیاں تھیں اور میر قاسم اس کا داماد تھا لیکن اس کی بوالہوسی کم نہ ہوئی تھی اور وہ دولت کے زور پر داد عیش دے رہا تھا۔ میر زائی کو ایک طویل عرصے کے بعد اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ شوکت جنگ مر چکا تھا۔ میر زائی کو بھی کسی مضبوط سہارے کی تلاش تھی۔ میر زائی اور میر جعفر کا کوئی جوڑ نہ تھا لیکن میر زائی نے اسی کو تاکا تھا۔ اسے امید تھی کہ انگریزوں کی مدد سے میر جعفر نواب بن سکتا ہے اور بنگال کے نواب سے شادی کرنا ہی اس کا مقصد زندگی تھا۔

گھسیٹی بیگم بہت اہم گفتگو کرنے آئی تھی لیکن میر جعفر اسے چھوڑ کے میر زائی سے گفتگو میں لگ گیا۔ میر زائی تیار ہو کے آئی تھی۔ اس نے ناز نخرے اور اداؤں کے اتنے تیر چلائے کہ میر جعفر کے منہ میں پانی بھر آیا۔ گھسیٹی بیگم کو دونوں کا ہنس ہنس کے گفتگو کرنا بڑا شاق گزر رہا تھا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔ وہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود جوان

عورتوں کی طرح ہر وقت بنی ٹھنی رہتی تھی لیکن بیٹی کے سامنے اس کا چراغ نہ جلتا تھا۔ گھسیٹی بیگم نے دیکھا کہ ان کی گفتگو طول ہی کھینچتی جارہی ہے تو اس نے کھنکار کر اور اشاروں کنایوں سے بیٹی کو سمجھایا۔ میر زائی اپنے داؤ پیچ میں لگی ہوئی تھی اس نے ماں کے اشاروں کی کوئی پروانہ کی اور جعفر پر عشووں کے وار کرتی رہی۔

گھسیٹی بیگم بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی اور میر زائی لوہے کو گرم کر رہی تھی تا کہ اس پر بھرپور چوٹ لگائی جائے۔ اس نے جب محسوس کیا کہ لوہا گرم ہو گیا ہے تو ایک دم بات کا رخ بدل کے بولی۔ ''نواب صاحب آپ نے اب تک یہ نہیں پوچھا کہ میں اور امی حضور اس وقت آپ کے پاس کیوں آئی ہیں؟''

میر جعفر نے اپنے سر کو جھٹکا دیا جیسے وہ خواب سے بیدار ہونا چاہتا ہو پھر ذرا حیرانی سے کہا۔ ''میر زائی تم کسی وجہ سے آئی ہو لیکن اس وقت تمہارا آنا بڑا مبارک ہے۔''

''جی ہاں نواب صاحب۔'' میر زائی شوخی سے بولی۔ ''اس مبارک موقع پر ہم آپ کو مبارکباد دینے آئے ہیں۔''

''مبارکباد کس بات کی؟'' نواب نے چونک کر پہلے میر زائی پھر گھسیٹی بیگم کو دیکھا۔

''بنگال کے نئے صوبے دار اور حاکم اعلیٰ کی۔'' میر زائی نے میر جعفر کو برق پاش نظروں سے دیکھا۔

میر جعفر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میر جعفر ابھی کچھ نہ کہہ پایا تھا کہ میر زائی نے ایک اور حملہ کیا۔ ''دیکھئے نواب صاحب بنگال کے صوبیدار بننے کے بعد آپ ہمیں بھول نہ جایئے گا۔''

''میر زائی کیا کہہ رہی ہو؟'' میر جعفر نے کھوکھلی آواز میں کہا۔ ''نواب سراج الدولہ ابھی جوان ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا ابھی اس کا اندازہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔''

''سراج الدولہ کے دن پورے ہو گئے نواب میر جعفر۔'' گھسیٹی بیگم نے بات بیچ میں اچک لی۔

''مگر کیسے اسے کیا ہوا؟'' میر جعفر کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔

''نواب صاحب آپ نے سادگی کی حد کردی۔'' میر زائی نے فوراً لقمہ دیا۔ ''بنگال کا اصل حقدار شوکت جنگ تھا۔ آپ بھی اس کے حق میں تھے۔ اب وہ نہیں رہا تو حقدار آپ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟''

''میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔'' میر جعفر نے حیرانی سے میر زائی کو دیکھا پھر گھسیٹی بیگم کی طرف پلٹ کے کہا۔ ''آپ ہی کچھ بتائیے گھسیٹی بیگم آپ دونوں کیا کہہ رہی ہیں؟''

''بس منہ میٹھا کروائیے۔'' میر زائی نے اسے اپنی طرف مخاطب کر لیا۔ ''آپ کی نوابی اور بنگال کی صوبیداری کا پروانہ امی حضور کی جیب میں ہے۔''

''گھسیٹی بیگم خدا کے لیے کچھ بولیے۔ میں پاگل نہ ہو جاؤں۔'' میر جعفر نے بے بسی سے کہا۔

''میر زائی ٹھیک کہہ رہی ہے میر جعفر۔'' گھسیٹی بیگم نے سنبھل کر کہا۔ ''آپ کو علم ہے کہ مجھے شوکت بہت عزیز تھا۔ میں اسی کے لیے کوشش کر رہی تھی۔ بڑے نواب نے سراج الدولہ کو ولی عہد مقرر کر کے میری کوشش پر پانی پھیر دیا تھا لیکن میں مایوس نہیں ہوئی۔ میں نے اپنوں اور غیروں سے شوکت کے لیے مدد حاصل کر لی مگر عمر نے اسے مہلت نہ دی اور جب وہ کامیابی سے ہمکنار ہونے والا تھا تو موت نے اسے آ دبوچا۔ میرا سب کیا دھرا بے کار ہو گیا۔ اب بنگال کی گدی لرز رہی ہے۔ کلکتہ کی انگریز کمپنی سراج الدولہ کا تختہ الٹنے پر آمادہ ہے ان کے پاس زبردست فوجی طاقت ہے۔ وہ نواب سے اپنی پہلی شکست اور بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سراج الدولہ کے خاتمے کے بعد بنگال کا حاکم کوئی نواب ہی ہو گا اور اس کے لیے میری نظر میں تم سے بہتر کوئی اور نہیں ہے۔''

گھسیٹی بیگم نے بڑی سحر طرازی سے بات کی تھی۔ بنگال کی صوبیداری کا شوشہ میر زائی نے پہلے بھی میر جعفر کے سامنے چھیڑا تھا مگر اس وقت نواب علی وردی خان زندہ تھا اور میر جعفر میں اس کی مخالفت کی ہمت نہ تھی۔ اسی لیے اس نے اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا مگر اب حالات مختلف تھے۔ بنگال فوج کا بیشتر حصہ میر جعفر کی زیر کمان تھا۔ میر جعفر نے ایک نئے انداز سے اس مسئلے یا پیش کش پر غور کرنا شروع کیا۔ گھسیٹی بیگم اور میر زائی نے اسے سوچنے کا پورا موقع دیا اور خاموش بیٹھی رہیں۔

میر جعفر نے بڑی دیر بعد اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور بے یقینی کے لہجے میں بولا۔ "گھسیٹی بیگم آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا لیکن یہ کس طرح ممکن ہے میں کس زور پر کوئی قدم اٹھا سکتا ہوں۔"

"اپنے زور پر میرے زور پر اور انگریزوں کے زور پر۔" گھسیٹی بیگم نے مسکرا کے کہا۔ "آپ کے پاس بنگالی فوج ہے۔ میرے پاس سراج الدولہ کے تمام باغی اور مخالف امیر اور سردار ہیں۔ رہے کمپنی کے انگریز تو وہ آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔"

"مگر گھسیٹی بیگم آپ کو معلوم ہے کہ سراج الدولہ کے پاس کتنی طاقت ہے۔" میر جعفر نے سنجیدگی سے کہا۔ "سراج الدولہ چاہے تو لمحوں میں انگریزوں کو پیس کے رکھ دے۔"

"مجھے اندازہ ہے نواب میر جعفر۔" گھسیٹی بیگم نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "سراج الدولہ کے پاس اپنے محافظ دستوں کے اور کچھ نہیں۔ میں نے تمام مخالف امیروں کو شوکت جنگ کا طرفدار بنا لیا تھا۔ وہ سب تمہارا ساتھ دیں گے اگر تم صرف اپنی فوج کو میدان میں قابو میں رکھ سکو تو بنگال کی نوابی تمہارے قدم چومے گی۔"

"نواب صاحب! آپ کی رگوں میں ابھی جوان خون دوڑ رہا ہے۔" میرزائی نے میر جعفر کو اکسا دیا۔ "ہمت کیجئے آپ کی صرف ایک ہاں سے بنگال کی قسمت بدل سکتی ہے اور سراج الدولہ کا تختہ الٹا جا سکتا ہے۔"

میر جعفر پر بنگال کی نوابی کا اقتدار غلبہ پانے لگا تھا۔ اس نے گھسیٹی بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔ "اگر میں ہاں کہہ دوں تو انگریزوں کو کون سنبھالے گا" کیا وہ مجھے نواب بنانے پر رضامند ہو جائیں گے؟"

"میر جعفر کیا کہہ رہے ہو؟" گھسیٹی بیگم چمک کے بولی۔ "کیا مجھے تمہاری عزت و وقار کا خیال نہیں۔ میں تمہیں انگریزوں کے سامنے نہیں جھکنے دوں گی۔ تم ہاں کرو تو وہ خود تمہارے پیر چومنے آئیں گے۔ میری تو وہ خوشامدیں کر رہے ہیں۔ تم اپنے آپ کو سراج الدولہ سے کم تر کیوں سمجھتے ہو؟"

میر جعفر کی نظروں میں بنگال کی صوبیداری رقص کرنے لگی۔اس کے تحت الشعور میں چھپی ہوئی مفاد پرستی اور غداری عود کر آئی۔اس نے کہا۔"گھسیٹی بیگم میں تیار ہوں تم کمپنی والوں سے بات کرو مجھے کوئی عذر نہیں۔"

میر جعفر کے رضامند ہوتے ہی سازش مکمل ہوگئی۔گھسیٹی بیگم اور امی چند کی معرفت سازشی انگریزوں اور غدار ملک وقوم میر جعفر کے درمیان میثاق مکمل ہوا۔میر جعفر نے اپنے ساتھ چند نمک حرام اور آتاکش ہندو عہدہ داروں کو شامل کرلیا۔انگریزوں کو جب مکمل اطمینان ہوگیا کہ تمام بنگالی سپاہ نے نواب کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ میر جعفر کے حکم پر عمل کرے گی تو انگریزوں نے جون ۱۷۵۷ء میں کلکتہ سے مرشد آباد کی طرف کوچ کیا۔انگریزی سپاہ کی تعداد چار ہزار سے کچھ زائد تھی۔جس میں کالے گورے دونوں شامل تھے۔

نواب سراج الدولہ کو سرداروں کی بھنک پڑگئی تھی اور وہ اپنے سرداروں کی طرف سے مشکوک ہوگیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اسے میر جعفر پر قطعی شبہ نہ تھا۔میر جعفر ایک تو سراج الدولہ کا چھوپا تھا دوسرے وہ سرکاری فوج کے بڑے حصے کا سالار بھی تھا۔انگریزوں کی کوچ کی خبر مرشد آباد پہنچ چکی تھی۔اس لیے غداروں کی تلاش اور انہیں سزا دینے کا وقت بھی نہ تھا پھر بھی اس نے تمام سرداروں کو بلا کر ازسر نو حلف وفاداری اٹھوایا اور سر پر کفن باندھ کے مرشد آباد سے نکلا۔

غدار میر جعفر انگریزوں کا حلقہ بگوش اور غداری کا طوق اپنے گلے میں ڈال چکا تھا مگر بظاہر بڑا سرگرم نظر آرہا تھا۔نواب نے جنگی حکمت عملی کے بارے میں اس سے مشورہ کیا تو میر جعفر نے نواب کو اطمینان دلایا اور کہا کہ وہ خود اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھ کر انگریزوں کو گھیرے میں لے گا۔نواب سراج الدولہ اس کے چکمے میں آگیا اور اسے آگے بڑھنے کا حکم دے کر اپنے لشکر کی رفتار سست کردی۔

میر جعفر حکم ملتے ہی اپنی بنگال سپاہ اور تمام غدار سرداروں کو ساتھ لے کر مرشد آباد سے بتیس میل آگے نکل گیا۔اس نے تازہ تازہ وفاداری کا حلف بھی اٹھایا تھا لیکن انگریزوں

کو گھیرنے کے بجائے وہ راستہ کاٹ کر دوسری طرف نکل گیا اور انگریزوں کو پیغام بھیجا کہ میدان صاف ہے، نواب کے پاس صرف نصف فوج رہ گئی ہے۔ انگریز تیزی سے آگے بڑھے اور نواب کے لشکر کے سامنے پہنچ گئے۔ انگریزوں کو اس قدر جلد اپنے سامنے دیکھ کر نواب سراج الدولہ گھبرا گیا۔ اس نے جلدی جلدی دفاعی انداز کی صف بندی کی۔

اس وقت اس کے محافظ دستوں کا سردار میر مدن سامنے آیا۔ میر مدن نواب کے آگے قلب فوج کی کمان کر رہا تھا اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ "نواب عالی مقام خدا آپ کو ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے۔ آپ کے محترم پھوپھا میر جعفر نے غداری کی اور وہ اپنی فوج دوسری طرف نکال لے گیا ہے۔"

سراج الدولہ کو پہلے ہی شبہ تھا۔ میر مدن کی اطلاع سے ایک لمحے کے لیے اس کا بدن کانپ اٹھا لیکن فوراً سنبھل کے بولا۔

"میر مدن اگر میر جعفر غداری کر گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہتھیار ڈال دیں۔ میرے پاس ابھی تم جیسے وفادار موجود ہیں۔ میں انگریزوں کی غلامی نہیں کروں گا۔"

"خدا نواب بنگال کو کامیاب کرے۔" میر مدن نے بڑے جوش سے کہا۔ "میں نے اب تک صرف سینے پر زخم کھائے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آج بھی میر مدن سینے پر ہی گولی کھائے گا۔"

نواب نے بڑی حسرت سے پوچھا۔ "میر مدن، تمہارے ساتھ کتنے وفادار ہیں؟"

"بارہ سو نواب عالی مقام۔" میر مدن نے سینہ تان کر کہا۔ "لیکن یہ بارہ سو بارہ ہزار پر بھاری ہیں۔" انگریز لشکر کے ساتھ امی چند اور اس کا بھائی تھا۔ اس گفتگو کے دوران امی چند کا بھائی انگریزوں کی طرف سے صلح کا پیغام لایا، انگریزوں نے پیغام بھیجا تھا کہ اگر سراج الدولہ ہتھیار ڈال دے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی اور اس کے لیے گزارہ الاؤنس مقرر کیا جائے گا۔ نواب کا چہرہ غیرت سے سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ جواب دینے ہی والا تھا کہ میر مدن کے طمنچے سے گولی نکلی اور امی چند کے بھائی کے سینے میں داخل

ہوگئی۔

””نواب بہادر گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کا نمک خوار آپ کی توہین برداشت نہیں کرسکا“ یہ کہہ کر میر مدن نے سر جھکا دیا۔

””میر مدن۔“ نواب ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”تم نے ہمارا کام اپنے ہاتھ سے کردیا۔ اس نمک حرام کو ہم بھی یہی جواب دیتے۔“

نواب سراج الدولہ نے توپ خانہ کو حکم دیا۔ توپوں کی زبان سے انگریزوں تک نواب کا پیغام پہنچا دیا۔ دوسری طرف سے توپیں چلنے لگیں اور آگ وخون کی ہولی شروع ہوگئی۔ ذرا دیر بعد نواب سراج الدولہ نے دائیں بائیں دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی فوج کے بہت سے دستے آہستہ آہستہ پیچھے کھسک رہے ہیں۔ نواب نے اس کی بھی پروانہ کی اور پلٹ کر جنگ میں مصروف ہوگیا۔ جاں باز میر مدن بڑھ بڑھ کے حملے کررہا تھا اور اس کے بارہ سو جوان جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ دوپہر تک نواب کی مختصر فوج نے نہ صرف انگریزوں کو روکے رکھا بلکہ میر مدن کے شدید حملوں نے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔

اب انگریزوں کو اپنی فکر پڑ گئی۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ میر جعفر نے ان سے دغا کیا ہے۔ شام تک ان میں ایسی گھبراہٹ پیدا ہوئی کہ میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ بھاگیرتی ندی کے موڑ پر ایک اونچی جگہ واقع تھا۔ ان کی توپیں پہلے ہی خاموش ہوگئی تھیں گزشتہ شب ہلکی سی بارش ہوئی تھی۔ میر مدن یہ سمجھا کہ انگریزوں کی توپیں بارش سے بے کار ہوگئی ہیں۔ میر مدن نے اس غلط فہمی میں مبتلا ہوکر باغ پر حملہ کردیا۔ میر مدن سب سے آگے تھا اور اس کے جاں نثار اس کے عقب میں لوپر چڑھ رہے تھے۔ شام ہو رہی تھی اور میر مدن غروب آفتاب سے پہلے باغ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

باغ کے اندر انگریزوں کے تمام بڑے بڑے سردار موجود تھے اور انہیں اپنی شکست کا یقین ہوگیا تھا کلائیو، گورنر ڈریک، واٹسن، کرنل کلیف یہ سب مشورہ کررہے تھے کہ وہ توپیں باغ میں چھوڑ کر پشت کی طرف نکل جائیں۔ اسی وقت ان کی نظر میر مدن اور اس کے ساتھیوں پر پڑی جو اوپر کی طرف چڑھ رہے تھے۔ کلائیو نے فوراً توپچی کو حکم دیا

کہ وہ میر مدن کا نشانہ باندھے۔ توپچی نے توپ سیدھی کر کے نشانہ لیا اور گولہ داغ دیا۔ کسی کو توپ چلنے کا گمان بھی نہ تھا۔ گولہ میر مدن کے قریب گرا اور اس کا جسم جھلس گیا۔ میر مدن کے ساتھیوں نے جلدی سے اسے پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔ انگریزوں نے میر مدن کی اس غلطی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور تمام توپوں کے دہانے ان جانبازوں پر کھول دیئے۔ رات تک گولے برستے رہے اور میر مدن کے علاوہ اس کے آدھے سے زیادہ ساتھی بھن کر رہ گئے۔

سراج الدولہ نشیب میں تھا اس نے میر مدن کو بچانے کے لیے آگے بڑھنا چاہا لیکن گولوں کی بارش نے اس کا راستہ روک لیا۔ میر مدن کی موت سے نواب سراج الدولہ کا دل ٹوٹ گیا۔ رات ہو گئی تھی۔ تمام ساتھی مارے جا چکے تھے۔ میدان میں ٹھہرنا بالکل بے کار تھا۔ سراج الدولہ رات ہی کو مرشد آباد واپس آ گیا۔ شکست خوردہ سپاہیوں کا جدھر منہ اٹھا وہ نکل گئے۔

یہ ایک روزہ جنگ جسے جنگ کہہ کر اس پر دھبہ لگانا ہے۔ پلاسی کے مقام پر لڑی گئی۔ جس میں سراج الدولہ نے واقعی دادِ شجاعت دی۔ میر مدن نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا لیکن بہادری اور شجاعت کا سہرا انگریزوں نے اپنے سر باندھا۔ انگریز مورخوں اور ادیبوں نے اس ایک روزہ جنگ کو دنیا کی عظیم جنگوں میں شامل کر دیا اور ایک زمانہ تک بغلیں بجاتے اور اپنی بہادری کا ڈنکا پیٹتے رہے۔

صبح کو غدار میر جعفر نے حاضر ہو کر انگریزوں کو مبارک باد دی اور انگریزوں نے اس کے سر پر بنگال کی صوبیداری یا حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔ خوب خوشیاں منائی گئیں اور جلسے ہوئے۔ میر جعفر نے کرنل کلیف کو پچیس لاکھ کا نذرانہ دیا اور چوبیس پرگنہ کا ضلع انگریزوں کو عطا ہوا۔ کلائیو لارڈ کلائیو بن گیا۔

نواب سراج الدولہ کا ستارہ گردش میں آ گیا تھا اور پریشانی نے اس کا ذہن ناکارہ کر دیا تھا۔ اس نے مرشد آباد سے نکل کر عظیم آباد کا رخ کیا مگر خشکی کے بجائے ندی کا راستہ اختیار کیا۔ انگریزوں کے کتے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ غدار میر جعفر اس کی گرفتاری کے لیے سخت مضطرب تھا۔ بالآخر ایک ہفتے بعد سراج الدولہ عالم بے کسی اور بے بسی میں

گرفتار ہوا۔ اسے مرشد آباد لا کر قتل کیا گیا اور اس مجاہد اور محب وطن نواب کی لاش کی اس شہر میں تشہیر کی گئی جہاں اس کا جلوس نکلتا تھا۔

گھسیٹی بیگم اور میر زائی کی کچھ دن خوب خاطر مدارت ہوئی لیکن ایک روایت کے مطابق میر زائی باپ بیٹوں کے درمیان جھگڑے کی جڑ بن گئی...... میرن اپنے باپ سے لڑ پڑا اور چند دن بعد اچانک مر گیا۔ پتا نہیں اسے میر جعفر نے مروا دیا یا یہ کام میر زائی نے کیا۔ بیٹے کی موت کے بعد میر جعفر، گھسیٹی بیگم اور میر زائی کے خلاف ہو گیا...... پھر ان ماں بیٹی پر کیا گزری، اس کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔

میر جعفر کو عاقبت میں جو سزا ملے گی وہ تو الگ ہے لیکن اس دنیا میں ہی اسے غداری کی سزا مل گئی۔ وہ عوام کی نظروں میں اس قدر ذلیل ہوا کہ جدھر سے نکلتا لوگ اشارہ کر کے کہتے۔

''وہ دیکھو کلائیو کا گدھا جا رہا ہے۔''

کلائیو کا یہ گدھا مشکل سے تین سال گزار سکا۔ اس نے اپنے بھتیجے نواب سراج الدولہ سے غداری کر کے بنگال کی گدی حاصل کی تھی۔ ۱۷۶۰ء میں اس کے داماد میر قاسم نے اس سے غداری کی اور انہی انگریزوں کی مدد سے مرشد آباد میں گدی نشین ہوا۔ تاریخ نے میر جعفر کی معزولی کو یوں بیان کیا ہے۔

''جب میر جعفر معزول ہو کر مرشد آباد سے کلکتہ کی طرف روانہ ہوا تو نوکر تک اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔''

بے غیرتی کی زندگی گزارنے والا یہ غدار قوم میر جعفر مسند شاہی پر مزید پانچ سال زندہ رہ کر ۱۷۶۵ء میں کلکتہ میں مر گیا۔